بعونہ تعالیٰ

آئینہ خود شناسی

تصوف کی بے نظیر کتاب

مصنفہ

منشی نجم الدین صاحب سابق [illegible] متوطن پانی پت ضلع کرنال

جسکو

قاسم الفقراء ملک محمد الدین ایڈیٹر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤ الدین

نے

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپوایا

قیمت فی جلد

بار ششم

تعداد مطبوعہ (۱۰۰۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنامِ آنکہ او نامے نہ دارد — بہر نامے کہ خوانی سر برآرد
در حقیقت نیست حق را ہیچ نام — دم زدن اینجا نشاید والسلام

عوالم خمسہ

کاملین نے ذات کے مراتب یا عوالم جو از روئے کشف تحقیق کئے ہیں وہ یہ ہیں

۱۔ ہاہوت

وہ عالم۔ [illegible]پی خبر نہ اس بے خبری کی خبر۔

۲۔ لاہوت

یہاں اپنی خبر ہوتی ہے اور الوہیت کا دعوےٰ۔

۳۔ جبروت

یہاں اپنے وجود سے خود بخود بالتفصیل شناسائی ہوتی ہے۔

۴۔ ملکوت

یہاں اپنی تسبیح و تہلیل میں آپ مشغول ہوتا ہے۔

۵۔ ناسوت

یہی عالم ظاہر جہاں ہر مظہر میں خود ظاہر ہے۔ یا یوں سمجھو:۔

(۱) جب خواہشوں میں پڑا ناسوت میں ہے۔

(۲) جب اپنی حمد و ثنا میں مشغول ہوا ملکوت میں ہے۔

(۳) جب اپنے آپ کو پہچانا جبروت میں ہے۔

(۴) جب انی و انا کا نعرہ مارا لاہوت میں ہے۔

(۵) جب سب حالتیں گم ہیں یعنے غیب مطلق تو ہاہوت میں ہے۔

یا یوں سمجھو کہ ہاہوت باطن لاہوت کا۔ اور لاہوت باطن جبروت کا۔ اور جبروت باطن ملکوت کا اور ملکوت باطن ناسوت کا۔ اور یہ مراتب جہات سے پاک ہیں نہ اوپر نہ نیچے۔ نہ دائیں نہ بائیں۔ نہ آگے نہ پیچھے۔ اسی طرح زمانہ کو بھی یہاں دخل نہیں اور یہ جو مراتب کی تقدیم و تاخیر ہے صرف سمجھنے سمجھانے کیلئے ہے۔ ورنہ ذاتِ حق اس سے پاک ہے کہ پہلے کچھ اور تھی اور پیچھے کچھ اور ہو گئی۔ بلکہ وہ ہر آن میں وہی ہے جو تھی۔

تمثیلات

۱۔ تمثیل عمارت

جب ایک کامل فن معمار تعمیر مکان کا ارادہ کرتا ہے تو اول اس کے ذہن میں ایک [illegible] بالاجمال پھر اُس کے تمام اجزا کو بالتفصیل اپنے ذہن میں بمقتضائے حکمت ترتیب دیتا ہے پھر اُس ترتیب کے موافق کاغذ پر نقشہ تیار کرتا ہے۔ پھر ٹھیک اُسی کے مطابق خشت و مصالحہ سے در و دیوار بنا کر مکان کھڑا کر دیتا ہے پس وہ اجمالی مکان جو ذہن معمار میں ہے مقام لاہوت ہے اور اُس کی تفصیلی صورت جبروت اور اس کا نقشہ کاغذ پر عالم مثال یا ملکوت اور مکان تعمیر شدہ ناسوت ہے اور وہ حالت کہ نہ مکان تھا۔ نہ اس کا نقشہ نہ تعمیر کا ارادہ نہ معمار کو اپنی اور اپنے کمال کی خبر وہ ہاہوت

۲۔ تمثیل آفتاب

آسماں پر چاند کا چمکنا۔ زمین پر موسموں کا بدلنا۔ نباتات کا اُگنا۔ پھولوں کا کھلنا پھلوں کا پکنا۔ سمندر سے بخارات کا اُٹھنا ہواؤں کا چلنا۔ مینہ کا برسنا۔ ندی نالوں کا چڑھنا۔ حیوانات کی چہل پہل یہ سب کچھ آفتاب جہانتاب کے پرتوے سے ہو رہا ہے۔ مگر وہ اُس کی شعاعیں نہ مقید ہیں نہ آزاد۔ نہ کسی سے تعلق نہ بے تعلقی۔ نہ مشغول بکار۔ نہ معطل و بیکار بلکہ بلا غرض و حاجت اپنے آپ درخشان و تاباں ہے۔

۱

۳۔ تمثیل سیاہی

سیاہی ذات ہے تو حروف و نقوش صفات ہیں۔ ذات پر نظر کرو تو واحد ہے۔ صفات پر خیال کرو تو بیشمار طرح طرح کے خطوط و نقوش نمایاں ہیں۔ مگر سب کی اصل سیاہی ہے۔ اور ہر شکل میں وہی ظاہر ہے۔ پس جو نمودار ہے وہ عین سیاہی ہے غیر نہیں۔

۴۔ تمثیل خلا

یہ طلسمات عالم خلا میں نمودار ہے۔ لیکن خلا میں اسکے ہونے سے کچھ بیشی نہ اس کے نہ ہونے سے کچھ کمی۔ ہر ذرہ اُس میں ہے اور وہ ہر ذرہ کو محیط۔ نہ کسی سے جدا ہے نہ کسی میں شامل جوں کا توں الآن کما کان۔

۵۔ تمثیل برف

فرض کرو کہ ایک بحر اعظم ہے۔ نہ اُسکی ابتدا ہے نہ انتہا نہ کنارہ ہے نہ تھاہ۔ اُس میں برف کی چٹانیں پڑی تیر رہی ہیں۔ اب غور کرو تو صورت برف ہے اور معنی پانی اس صورت میں ظاہر کون ہے؟ وہی پانی۔ اور باطن کیا ہے؟ وہی پانی اوّل کیا تھا؟ وہی پانی آخر کیا ہے؟ وہی پانی۔ غرض برف ایک نمود بے بود ہے پانی سے پانی پر اور عین پانی ہے۔ برف کی صورت اور اسم البتہ فانی ہیں۔ در اصل پانی کے سوا نہ کچھ تھا نہ ہے۔ نہ ہوگا۔ جب برف کو اپنی حقیقت کھلی تو زبان حال سے کہتا ہے۔

اعلم

ظاہر تو ہے تو میں نہاں ہوں | باطن تو ہے تو میں عیاں ہوں
تو ہی ظاہر ہے تو ہی باطن | تو ہی تو ہے تو میں کہاں ہوں
تیرے ہوتے کہیں نہیں میں | اوّل آخر نہ درمیاں ہوں
جز نام نہیں نشان میرا | بیچ بیچ میں بحر بیکراں ہوں

اب دریا کے موج و حباب پر نظر کرو تو وہ بھی پانی کے تعینات کا نام ہے۔ پس حقیقت میں پانی ہی پانی ہے نہ غیر۔

اے موج ز آب کے جدائی داری　　　دانی اوئی دگر ندانی اوئی

تنبیہ

اے بروں از وہم و قال و قیل من　(روم)　خاک بر فرقِ من و تمثیل من

جسکی صفت لیس کمثلہ شئ ہے اُسکی معرفت میں برہان و دلیل کیا اور تشبیہ و تمثیل کیا دونوں بیکار محض ہیں عقل کی مجال نہیں کہ اس میدان میں برہان و دلیل کے گھوڑے دوڑاسکے ؎

عقل درآمد کہ طلب کردمش　(نظامی)　ترکِ ادب بود ادب کردمش

تمثیل و تشبیہ اور وہ بھی محسوسات کی اگرچہ ایک کھیل ہے تاہم اُس میں مقصودِ اصلی کیطرف ایک اشارہ لطیف ہوتا ہے جو طلبِ تلاش کو تازہ اور دل کو گرم کرتا ہے خاص کر طالبان مبتدی کے حق میں برہان و دلیل سے زیادہ موثر ہے اُن کی استعداد و مذاق سے یہ طریقہ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور بعد حصول وصول خود معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ گوڑیوں کا سا کھیل بچپن میں مزہ دیتا ہے نہ کہ جوانی میں ؎

جھٹ ٹٹ کھیلے سچ سچ ہووے　　　سچ سچ کھیلے برلا کوے

ایں تصویر دیں تخیل لعبت است　(روم)　تا تو طفلی پس بدانت حاجت است

چوں ز طفلی رست جاں شد در وصال　　　فارغ از حس ست و تصویر و خیال

ذات

آنچہ بینی پیش ازانت راہ نیست　(الاعلم)　غایتہ فہم تو شد اللہ نیست

بحر اعظم میں نہ طوفاں ہے نہ موج و گرداب　(اعلم)　خشک ہے آب واں اور ہے قطرہ نایاب

نہ پتا ہے نہ ٹھکانہ نہ کوئی راہ و مقام　　　یعنی الآن کما کان نہ مبدا نہ مآب

ذات بحت ہستی مطلق ہے جو اپنی حقیقت آپ ہے وہی ہست ہے وہی ہستی۔ خود قایم و قیوم۔ خود ناظر و منظور خود ظاہر و مظہر ہے۔ نہ کُل ہے نہ جزو۔ نہ مطلق ہے نہ مقید نہ عام ہے نہ خاص۔ نہ اُس میں وحدت ہے نہ کثرت۔ نہ اُس کو زوال ہے نہ تغیر۔ نہ علم میں سماتی ہے

نہ دید میں آتی ہے۔ سب اُسی سے پائے جاتے ہیں مگر کوئی اُس کو نہیں پا سکتا۔ وہ سب کو محیط ہے لیکن خود احاطہ سے باہر ہے۔ غیر سے بے نیاز اور ماسوا سے پاک ہے، فہم و قیاس عقل ادراک۔ جسم و جان۔ اسماء و صفات سب اُسمیں گُم ہیں۔ اُسکی شناخت حیرانی اور اُسکا نشان بے نشانی ہے۔ عقل صرف اتنا کہتی ہے کہ وہ ہے۔ وجدان بولتا ہے کہ جو کچھ ہے اُسی سے ہے یا اُسی میں ہے بے خودی غل مچاتی ہے کہ خود وہی ہے ؎

دو عالم چیست نقش صورتِ دوست   چہ جائے نقش و صورت بلکہ خود اوست

صفات

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا (غالب) ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے

یعنی بحسب گردشِ پیمانۂ صفات   عارف ہمیشہ مست مئے ذات چاہیئے

جب ہستی مطلق مرتبہ ظہور میں کسی خاص تجلی کیساتھ جلوہ گر ہوتی ہے تو اُس نسبت کو صفت کہتے ہیں اگرچہ سمجھنے میں صفت ذات سے اور ایک صفت دوسری صفت سے جدا ہے لیکن ذات کی تجلی ذات پر کوئی شئے زائد نہیں اس لئے صفت غیر ذات نہیں البتہ لازم ذات ہے کیونکہ ذات کا ظہور ہمیشہ پردۂ صفات ہی میں ہوتا ہے۔ قلندر صاحب

ذات را لازم بود قید صفات   ہم صفاتش را بود ملزوم ذات

لطافت بے کثافت جلوہ آرا ہو نہیں سکتی (غالب) چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

ذات حق کی صفات بھی کامل و قدیم و لازوال ہیں۔ اور اُنکی حقیقت کا ادراک بھی ایسا ہی محال ہے جیسا کہ ذات کا۔ اور صفات اگرچہ نامحدود و نامحصور ہیں مگر اُنکی کثرت سے ذات کی وحدت حقیقی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ مثلاً کسی شخص سے طرح طرح کی ادائیں ظاہر ہوتی ہوں تو اُس سے وحدت شخصی بدل نہ جائیگی۔ الغرض صفات ذاتیہ یا اعلیٰ صفات سات ہیں :-

(۱) حیات (۲) علم (۳) قدرت (۴) ارادہ (۵) سمع (۶) بصر (۷) کلام۔ اسما

ایں اسامی از صفت پیدا شدہ (قلندر صاحب) غنچۂ ذاتش چوں گل وا شدہ

ذات باعتبار صفت کے اسم ہے۔ مثلاً اللہ ذات ہے مع جمیع صفات کے اور علیم ذات ہے مع علم کے اور قدیر ذات ہے مع قدرت کے۔ پس اللہ اسم ذات ہے اور علیم و قدیر اسمائے صفات اور جسطرح صفت غیر ذات نہیں اسم بھی غیر ذات نہیں بلکہ اسم عین مسمّٰی ہے۔ یعنی وہی علم ہے وہی علیم وہی قدرت ہے وہی قدیر۔ اور چونکہ صفات کثیر ہیں اس لئے اسما بھی کثیر ہیں۔ پھر ہر ایک اسم مرتبۂ ظہور میں اپنے کمال کیساتھ تجلی کرتا اور اپنے مظاہر میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ مثلاً علیم کا ظہور معلوم ہے چنانچہ علم الٰہی میں کل معلومات ذرہ ذرہ ازل سے لیکر ابد تک حاضر ہے لیکن یہ معلومات بھی غیر نہیں وہی ذات ہے وہی علم وہی عالم وہی معلوم۔ اب مراتب ظہور پر غور کرو جتنا ظہور زیادہ اتنا ہی حجاب زیادہ یعنی ذات کا حجاب علم ہے تو علم کا حجاب عالم اور عالم کا حجاب معلوم۔ اس سے ظاہر ہے کہ حجاب بھی غیر نہیں بلکہ وہ اپنا حجاب آپ ہے ؎

حجاب روئے تو ہم روئے تست در ہمہ حال　　　نہانی از ہمہ عالم زبسکہ پیدائی

یہانتک جو مراتب ظہور بیان کئے گئے وہ ذات کے قرب ہی ہیں یا عین ذات اور لازم ذات ہیں۔ ذات بغیر اُنکے اور وہ بغیر ذات کے نہیں۔ اس لئے اُنکی ہستی واجب ہے۔ اور وہ کمی و بیشی سے یا زوال و تغیر سے پاک ہیں۔ اس کے بعد جو مراتب ظہور ہیں وہ آثار و افعال ہیں جنکا وجود اصلی نہیں بلکہ اسماء و صفات کی تجلی اُن کے لباس میں ظاہر ہو رہی ہے۔ اس لئے وہ موجود معلوم ہوتے ہیں۔ ان ظہورات کو دو جہان بولتے ہیں۔ اول عالم امر ہے۔ دوسرا عالم خلق۔ اول کو ملکوت دوسرے کو ناسوت بھی کہتے ہیں لیکن ظہور دو جہان سے بھی ذات میں کچھ زیادتی نہیں ہوئی۔ اگرچہ کثرت بڑھ گئی تاہم ذات جیسی تھی ویسی ہی اب ہے۔ مثلاً تم ایک آئینہ خانہ بناؤ اور اُس میں اپنے آپ کو دیکھو تو ہر آئینہ میں بقدر اُسکی وسعت و استعداد کے تمہاری شکل و صورت اور قد و قامت کا ظہور ہے اور ظہور بھی بکثرت لیکن تم بحال خود ہو نہ گھٹے نہ بڑھے ؎

حق ز ایجاد جہاں افزوں نشد　　(اردم)　　آنچہ اول آں نبود اکنوں نشد

در اثر افزوں شد و در ذات نے　　　ذات را افزونی و آفات نے

روح اعظم

ذات نے چاہا کہ اپنے جمال ذاتی اور کمال صفاتی کو خود مشاہدہ کرے تو اُس نے روح کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور اس آئینہ میں اپنے جمال و کمال کا جلوہ دیکھکر اپنی حمد و ثنا کی جس کا ظہور روح میں ہوا اب روح کی شرح اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی کہ وہ امر ربّی ہے اور امر کے معنے یہ ہیں کہ جب کسی شے کا ارادہ کیا تو کہہ دیا کہ ہو سو ہوگئی ؎

روح جاں اوّل از کتم عدم بود — ز ذاتش در صفت اوّل قدم بود

روح جاں اوّل از ذات تعالےٰ — نفخت فیہ شد از قادر لا

غرض یہ ہے کہ ارادت و قدرت کا اظہار روح ہے اور وہ ذات جامع صفات کیلئے بمنزلہ آئینہ ہے یعنے جو کچھ ذات میں ہے وہی روح میں جلوہ گر ہے۔ یا یوں سمجھو کہ ذات جان ہے تو روح اُسکی صورت۔ جس طرح ذات مخفی ہے اسی طرح روح مستور ہے۔ اور ذات کی طرح روح کی حقیقت بھی عقل و فہم کی دسترس سے باہر ہے۔ بیان میں اتنا ہی سکتا ہے کہ وہ ایک عالم قدس ہے جو کیفیت وکمیت سے قسمت و مساحت سے شکل و صورت سے انصال و انفصال سے جہالت و سمات سے پاک ہے ہم اور بھی ایسی چیزیں پاتے ہیں جن کی نسبت نہیں کہہ سکتے کیا ہیں؟ کیونکر ہیں؟ کیسی ہیں؟ اور کتنی ہیں؟ مثلاً شادی و غم کا اثر حسن و عشق کا جذبہ۔ ذائقہ و آواز کی کیفیت ہم معلوم کرتے ہیں اس لئے جانتے ہیں کہ یہ چیزیں ہیں لیکن انکی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ پھر روح جو تمام معلومات حسی و خیالی و عقلی سے برتر و لطیف تر ہے اُسکی حقیقت کو کون جان سکتا ہے؟ ہاں وہ آپ ہی جانے تو جانے۔ درحقیقت روح جملہ موجودات میں موجود اوّل اور خلیفۃ اللہ ہے۔ باقی تمام موجودات کی ہستی اُسی کے فیضان سے ہے۔ دونوں جہان اُسکے تصرف میں ہیں سب کو محیط اور سب میں ساری ہے مگر ہر شے میں اُسکا ظہور جداگانہ ہے جیسی جسکی استعداد ہے ویساہی اُس کا ظہور ہے۔ فرشتوں میں عصمت ہے تو حیوانات میں خواہش۔ نباتات میں نمو ہے تو جمادات میں کشش۔ بلکہ وہ عین ہستی اشیا ہے۔ وہ اشیا سے اور اشیا اُس سے جدا نہیں۔ صورت اشیا جسم ہے اور معنی اشیا

روح جسم کی ہستی ہے روح نہیں اور روح کا ظہور بے جسم کے نہیں ؎

اندر پردہ نہاں باشد بے پردہ عیاں باشد
ہم در تن ہر واحد ہم جملہ جہاں باشد

جسم فانی ہے مگر اسکی فنا روح پر کچھ اثر نہیں کرتی اگر گھوڑا مر گیا یا گاڑی جل گئی تو سواری کی بلا سے۔

مرکبِ من گر بمیرد گو بمیر
من ہمانم شہسوارِ شیر گیر

اس میں شک نہیں کہ روح ہم میں ہے اور ہم روح میں بلکہ ہم خود روح ہیں لیکن مبتلائے وہم ہیں اور اپنی نادانی سے جسمانی سوزیاں کے سوے میں ایسے مشغول ہوئے کہ اپنی اصل سے دور و مہجور ہو گئے کچھ نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں ؎ حضرت عطارؒ

خبر از خود نداری تا چہ چیزی
نکو بنگر کہ بس چیزے عزیزی

توئی مرموزِ اسرارِ حقیقی
کہ با روح القدس ہر دم رفیقی

اگر از جانِ خود آگاہ گردی
برب الکعبہ بیت اللہ گردی

روح اعظم ایک ہے اور اس کا پرتو اجسام انسان میں جدا جدا ہے اور اسی جداگانہ پرتو کا نام روح جزوی ہے۔ ان جزوی روحوں کی کثرت سے روح اعظم کی وحدت میں کچھ حرج نہیں پڑتا۔ مثلاً آفتاب کی روشنی بے شمار چیزوں پر پڑتی ہے جو مکدر ہیں اُن پر صرف دھوپ دکھائی دیتی ہے جو صاف ہیں اُن میں خود آفتاب نظر آتا ہے۔ اب چیزوں پر خیال کرو تو جا بجا دھوپ اور لاکھوں آفتاب ہیں باایں ہمہ نیر اعظم واحد و لاشریک ہے۔ ؎ رُوم

تفرقہ در روح حیوانی بود
نفس واحد روح انسانی بود

مفترق شد آفتابِ جانِ ما
در درونِ روزنِ ابدانِ ما

قلب

نا در دبا با واصلِ خلق اوست (روم) اے خنک آنکس کہ دل دانذ پوست

جیسے روح ذات کا آئینہ ہے ایسے ہی قلب اسما و صفات کا آئینہ ہے جو تجلی روح میں مجمل ہے وہ قلب میں مفصل ہے پس قلب بھی روح کی طرح عالمِ بے پایاں بے حد بے جہت اور لا مکاں ہے ؎

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے   میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

قلب کی اصل تو عالم امر ہے مگر اس کا سایہ عالم خلق ہے۔ جو کچھ قلب میں موجود ہے اُسی کا نمونہ عقلی اور نفسانی قوتوں کے امتزاج سے خلق کی صورت میں ظہور کرتا اور بذریعہ حواس کے معلوم و محسوس ہوتا ہے ورنہ یہ گوناگوں صورتیں معدوم محض ہیں اسی سبب سے خلق کو نمود بے بود یا ہستی موہوم کہتے ہیں خیر سایہ کہو یا ہستی موہوم سمجھو مگر وہ باطل و بے کار نہیں ہے۔ بلکہ ان معدوم صورتوں میں اسماء و صفات الٰہی کے آثار و افعال نمایاں ہو رہے ہیں۔ جو نافہموں اور ظاہر بینوں کیلئے حجاب حقیقت ہیں اور ارباب فہم و نظر کیلئے واسطۂ انکشاف ذات ہیں ع

زانکہ سالک بحقیقت رسد از راہِ مجاز

وہ ان ذرات کا سراغ یوں لگاتے ہیں جیسے زیور سے طلا کا۔ کوزہ سے گل کا۔ بو سے گل کا۔ شجر سے تخم کا۔ اور شعاع سے آفتاب کا۔ غالب ؎

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا   یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

عالم خلق کی نمود کیلئے نفس بجائے ماں کے اور عقل بمنزلہ باپ کے ہے نفس ہمیشہ اُن خواہشوں میں مشغول رہتا ہے جو محسوسات کے متعلق ہیں۔ جب اُسکی کشش غالب ہوتی ہے تو وہ قلب کو بھی اپنا ہمرنگ بنا لیتا ہے یہی موجب رنج و الم ہے عقل کو محسوسات سے حظ نہیں آتا بلکہ وہ معقولات پر فریفتہ رہتی ہے جب اُسکی قوت زبردست ہوتی ہے تو قلب کو وہ اپنا ہم مشرب بنا لیتی ہے اور تصورات و تخیلات کا مزہ چکھاتی ہے یہی باعث انبساط و سرور ہے لیکن قلب کیلئے رنج و راحت دونوں زنجیریں ہیں جو اُس کو عالم خلق کے حبس بیجا میں رکھتی ہیں۔ رومی ؎

جبر کیلئے را برستوں بستہ   پر و بالش را بعمد جاں خستہ

جب وہ ان دونوں پھندوں سے رہائی پاتا ہے تو اُسکو نجات ابدی حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی اصل یعنی روح سے جا ملتا ہے اور تجلیات الٰہی کا آئینہ بن جاتا ہے اُس وقت وہ اپنے آپ کو عین حق دیکھتا اور انا الحق کا نعرہ بلند کرتا اور انی انا اللہ کا شور مچاتا ہے۔ عطار ؎

فارغم از کبر و کینہ و زہوا　　من خدایم من خدایم من خدا

الحاصل قلب ہی موجب ستگاری ہے اور وہی باعث گرفتاری۔ اگر اس ہستی موہوم کر جال میں پھنس گیا جو خود اُسی کا سایہ ہے تو وہ گور سے زیادہ تنگ و تاریک ہے اور اگر اس جال کو توڑ کر اڑ گیا اور روح قدسی سے وصل ہو گیا تو وہی بہشت جاودانی اور دیدار الٰہی ہے۔ سرّ وم ۵

تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست　　دل فراز عرش باشد نے بہ پست

زیں چنیں دل گور بہتر مر ترا　　آخر از گور دل خود بر تر آ

دل نباشد غیر آں دریائے نور　　دل نظر گاہ خدا و انگاہ کور

روح اس ہستی موہوم سے بیزار ہے مگر نفس اُس پر فریفتہ ہے اور قلب ان دونوں کے درمیان میں ہے جس کا غلبہ ہوتا ہے اُسی کا ساتھ دیتا ہے۔

نفس کُل

نفسِ کُل روح اعظم کا نتیجہ ہے جو فیض روح کو ذات پاک سے پہنچتا ہے اُس کو نفس قبول کر لیتا اور اُسکی تفصیل کا محل بنجاتا ہے اور تمام کائنات روح و نفس کے ملاپ سے پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں کے درمیان میں قلب متوسط ہے مگر قلب مثل روح کے عالم امر سے ہے اور نفس عالم خلق سے ہے اور نفس کل کا پر تو انسان میں نفس جزوی ہے جس کو نفس ناطقہ انسانی کہتے ہیں اور وہ خلاصہ ہے روح حیوانی و طبعی کا جو ترکیب عنصری سے پیدا ہوئی ہیں۔ غرض اوصاف حمیدہ کا سرچشمہ روح ہے اور ذمیمہ کا مخزن نفس ہے ابتدا میں وہ خواہشات و لذات حسّی کا پابند ہوتا ہے اور ہردم افعال بد کا حکم دیتا ہے اس حالت میں اُسکا نام نفس امّارہ ہے مگر جب تہذیب پاتا ہے تو بدی کے میلان سے نفرت کرنے لگتا ہے اور اپنے آپ کو خود ملامت کرتا ہے اس حالت میں اُس کا نام لوّامہ ہے جب تہذیب میں کامل ہو جاتا ہے تو اوصاف بد سے بالکل پاک صاف رہتا ہے اسوقت اسکا نام مطمئنہ ہے اور اُس سے ہمیشہ افعال نیک ہی سرزد ہوتے ہیں پس نفس مطمئنہ قلب کا قائم مقام بنجاتا ہے اور قلب روح کے مقام میں ترقی کرتا ہے اسی حالت کا نام نفس کا مرجانا ہے۔ سرّ وم ۵

ہر کہ مرد اندر تنِ او نفسِ گبر | مرو را فرماں برد خورشید و ابر

تمہید خود شناسی

تو نمی دانی کہ آخر کیستی (مردم) جہد کن چنداں کہ دانی چیستی

جان جملہ علمہا این است این | کہ بدانی من کیم در یوم دیں

ہر شے میں تین تین پائی جاتی ہیں۔ صورت۔ روح۔ حقیقت۔ یہی تینوں انسان میں ہیں۔ اُس کی صورت جسم ہے۔ علاوہ ہے عالمِ ناسوت کا اُس کی روح خلاصہ ہے عالمِ ملکوت کا۔ اسکی حقیقت صفات وذات حق ہے جو اصل ہے جبروت ولاہوت کی۔ غرض انسان جملہ مراتب ظہور کا مظہر اتم ہے اور اس میں سب عالم جمع ہیں۔ لہٰذا وہ ان عالموں کی حقیقت کے ادراک کا ملکہ رکھتا ہے مگر یہ ملکہ ہر ایک میں یکساں نہیں بلکہ افراد انسان میں اُسکے مدارج نہایت مختلف ہیں کسی میں وہ ملکہ ایسا پُرزور کہ نہ اُستاد کی حاجت نہ رہبر کی ضرورت۔ ذات حق کے سوا کوئی اُسکا ہادی نہیں بنا۔ لاتوسط مبدءِ فیاض سے وہ فیض پہنچا کہ عالم ناسوت میں لاہوت تک کی سیر کی اور مسلک کے تمام منازل مقامات سے بخوبی واقف ہوگیا۔ کسی میں ملکہ استا قوی نہ ہوا تو اُس نے اُن کاملوں کے ارشاد کی پیروی کی اور اُنکی اطاعت سے منزل مقصود تک پہنچا اسی طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا گیا۔ مولوی معنوی

ہیں کہ اسرافیل وقت اند اولیا | مردہ را زیشاں حیات ست بہا

جانہائے مُردہ اندر گورِ تن | بر جہد ز آواز شاں اندر کفن

شیخ فعال است بے آلت چو حق | با مریداں دادہ بے گفتے سبق

اندریں یم ماہیانِ پرفن اند | مار را از سحر ماہی مے کنند

ماہیانِ قعر دریائے جلال | بحر شاں آموختہ سحر حلال

غرض منزل مقصود پر پہنچنے کیلئے سب سے افضل طریقہ کل عالم کے برگزیدہ رہنماؤں نے بالاتفاق یہ بتایا ہے کہ اول توحید کو جانے پھر اپنے آپ کو پہچانے توحید کا جاننا اس لئے شرط ہے کہ ذات واحد کا ظہور بغیر کثرت کے ممکن نہیں اور کثرت میں ہر ایک مظہر کو دوسرے سے اختلاف ہے

پس جو شخص کسی مظہر خاص کا معتقد ہوگا تو وہ دوسرے مظاہر سے ناخوش ہوگا اور تکلیف پائیگا برخلاف اس کے جو توحید میں پختہ ہوگا وہ ایک مظہر میں ذات واحد کو جلوہ فرما دیکھیگا۔ بلا ہو یا عیش۔ نور ہو۔ یا ظلمت۔ بھلائی ہو یا برائی۔ غرض کسی شان و لباس میں اُس کو غیر کا دھوکا نہ ہوگا ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ در پوش　　　　کہ من آں قد موزوں را شناسم

اس لئے اُسکی راہ میں کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا۔ ہر طرف اُسکے لئے راہ طلب کشادہ ہے

ع　جائے کہ می رود ہمہ ملکِ خدائے دوست

اپنے آپ کو پہچاننا اس لئے شرط ہے کہ عالم ظہور میں جتنے مظاہر ہیں کیا ملک کیا فلک کیا حیوان کیا نبات کیا جماد خاص خاص صفات کے مظہر ہیں۔ صرف انسان ہی ایسا وجود ہے جو جمیع صفات و اسمائے الٰہی کا مظہر کامل ہے۔ رومؒ

آدم اصطرلاب گردون علوست　　　　وصف آدم مظہر آیات اوست

اب جو کامل کو چھوڑ کر ناقص مظاہر میں اُسکو تلاش کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ گمراہی میں پڑتا ہے۔ سعدیؒ

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی　　　　کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

مگر کسی چیز کا علم حاصل کرنے کیلئے یہ ضرور ہے کہ کچھ کیفیت اُسکی پہلے سے معلوم ہو جائے۔

کیفیت توحید

یعنی ذات واحد کو جو کثرت میں جلوہ گر ہے ایک جانے اور ہر شئے کو حق کی طرف سے سمجھے اور اُسی کا حکوم مانے۔ وسائل و اسباب پر نظر نہ ڈالے بلکہ دوسرے کا خیال ہی دل میں نہ لائے۔ عطارؒ

بہر چیزے تو مسکیں نا توانی　　　　خدا را ہیں تو از روے معانی

شناخت

یہ ہے کہ نہ کسی کا شکوہ کرے نہ کسی پر غصہ۔ نہ تعلق نہ بے تعلقی۔ ورنہ کتے سے بدتر ہے کیونکہ وہ دو مارنے والے پر دوڑتا ہے نہ کہ لاٹھی اور پتھر پر ؎ واعظ

در خاطر شاں ز خاص و ز عام　　　　یکساں شدہ آفریں و دشنام

چوں نیک و بد از خدا بدیدند ‌‌ ‌‌ روا زہمہ خلق در کشیدند

اگر کسی سے نفع پہنچے تو اس کو بھی من جانب حق سمجھے نہ اس شخص سے رغبت ہو نہ نفرت نہ کسی سے مدد چاہے نہ توقع رکھے ؎ مولوی معنوی

من نخواہم لطف حق از واسطہ ‌‌ ‌‌ کہ ہلاک خلق شد زیں رابطہ

جب دل میں وحدت سما جائیگی تو دوئی دور ہوجائیگی اور خیال غیر سے دل صاف ہو جائیگا اُسوقت وہ رموز منکشف ہونے لگیں گے جو پہلے تصور میں بھی نہ گذرتے تھے ؎ معنوی

ہر کرا باشد ز سینہ فتح باب ‌‌ ‌‌ او ز ہر ذرہ ببیند آفتاب

جب یہ علم پیدا ہو جاتا ہے تو یقین کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اسکے بعد دید کی آرزو پیدا ہوتی ہے

مجاہدہ

باچناں رحمت کہ دارد شاہ ہُش ‌‌ (روم) ‌‌ بے ضرورت چوں بگوید نفس کُش

دید و یافت کیلئے مجاہدہ لابد ہے کیونکہ مشاہدہ بے مجاہدہ محال ہے۔ دودھ سے مکھن سنگ سے لعل۔ زمین سے پانی بے محنت نہیں نکل سکتا۔ مولوی معنوی ؎

ہیچو چہ کن خاک سے کن گر کسی ‌‌ ‌‌ زیں چہ خاکی کہ در آبے رسی

اس لئے طالب کو چاہیے کہ اول علایق دنیوی مثلاً فکر اہل و عیال۔ اندیشۂ زر و مال حب جاہ و حب وطن وغیرہ سے قلب کو خالی اور حواس ظاہر و باطن کو جمع کرکے یکسوئی حاصل کرے۔

حواس ظاہری کا روکنا تو گوشۂ تنہائی میں ممکن ہے۔ مگر باطنی کا مشکل ہے اس کیلئے ضرور ہے کہ ذکر کی مشق یہانتک کرے کہ زبان سے گزر کر قلب سے جاری ہو۔ اور لفظ محو ہو کر معنی ہی رہجائیں ؎

بے لب و بے حرف میگو نام رب ‌‌ (روم) ‌‌ پس زجاں کن وصل جاناں را طلب

خویشتن عریاں کن از جملہ فضول ‌‌ ‌‌ ترک خود کن تا کند رحمت نزول

اس مشق سے رحمت کاملہ کے قبول کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ اب یہی یہ بات کہ اُدھر سے جذب و کشش کب ہو اس کا مدار محض عنایت پر ہے ؎ واعظ

ایں جز بعنایت ازل نیست　　　　　ازدانش و کوشش و عمل نیست

لیکن فتوحات غیبی کے انتظار اور نزول رحمت و عنایت کی امید میں اپنی کوشش کو کبھی ترک نہ کرے

زانکہ ترکِ کار خود نازے بود　(رومی)　ناز کے در خورد جانبازے بود

ایں خودی را خرج کن اندر خدا　　　　از خودی بگذر زمانے باخود آ

خویش را صافی کن از اوصاف خود　　　　تا ببینی ذاتِ پاکِ صاف خود

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے الہامات میں ہے کہ دانست کے بعد جس نے دید کا سوال کیا وہ محجوب ہے اور جس نے دید کو غیر دانست گمان کیا وہ مغرور و گمراہ ہے اور دانست کیا ہے؟ سب چیزوں سے نادان ہونا۔ بوعلی قلندر

ہست نادانی دریں رہ علم نیست　　　　علم را بگذار نادانی یکے ست

فکرِ خود

اس باب میں فکر کرنا چاہئے کہ میں کون ہوں؟ میں کی چار قسمیں ہیں:۔

(۱) میں کوتاہ و دراز ہوں۔ میں سیاہ و سفید ہوں۔ لاغر و فربہ ہوں۔ یعنی جسم کو اپنا آپ جاننا اور اُسکی صفات کو اپنی صفات ماننا۔ جیسے برف اپنی صورت موہوم کو اصلی گمان کرے۔ یہ فکر ناقصین کی ہے جو بہت بُری ہے۔

(۲) میں لطیف ہوں اور جسم سے جدا ہوں۔ جیسے برف اپنے آپ کو پانی سمجھے یہ فکر کاملین کی ہے اور بہت اچھی ہے۔

(۳) میں ذات مطلق ہوں کُل میں موجود ہوں جیسے برف آپ کو دریائے بیکراں سمجھے یہ فکر اکملین کی ہے اور نہایت خوب ہے۔

(۴) میں نہ وہ ہوں نہ یہ ہوں۔ تصور سے آزاد اور فکر سے پاک ہوں یہ قسم سبحان اللہ و بحمدہٖ

پاک گردد دل اگر از جملہ فکر　(مولانا رومی)　حق شود مشہود غیر از فکر و ذکر

عارفاں ہستند اینجا بے نشاں　　　　بے بصر بے سمع بے حس بے زباں

قلب سے خطاب

(۱)

گر تو خود را پیش و پس کردی گماں (رومؔ) بستۂ جسمی و محرومی ز جاں

زیر و بالا پیش و پس وصفِ تن است | بے جہت آں ذاتِ جانِ روشن است
برکشا از نورِ پاک شہ نظر | تا نہ پنداری تو چوں کوتہ نظر
کہ ہمینی در غم و شادی و بس | اے عدم کو مر عدم را پیش و پس
اندم غم ہم بمیرد ایں چراغ | وز دمِ شادی بمیرد اینت لاغ
درمیانِ ایں دو دم گ او زندہ است | ایں مطوق شکل جائے خندہ است

اس دو گز کے خاکی پتلے کو یہ جاننا کہ میں ہوں یا اُس کے حواس و خواص کو یہ سمجھنا کہ میں نے ہیں سخت نادانی ہے۔ یہ تو آج ہے کل نہ ہوگا جیسے اس جسم کا سایہ روشنی میں ہے اندھیرے میں ندارد پس تو اسکو چھوڑ اور اپنی اصل و حقیقت کو تلاش کر جو اس سے برتر و پاک تر ہے۔ رومؔ

کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن | بر زمینِ دیگراں خانہ مکن
کیست بیگانہ تنِ خاکیِ تو | کز برائے اوست غمناکیِ تو

غور کرو کہ یہ جسم کہاں سے آیا کہاں جائیگا؟ اور اس پر یہاں کیا گزری؟ وہ عدم سے آیا اور وہیں اُسکی بازگشت ہے۔ جو حالت و حیثیت اُسکی اب ہے نہ پہلے تھی نہ آئندہ رہیگی۔ بظاہر میں اُس کے آنیکا سبب والدین ہوئے جن کے اوپر کی نسلوں کا سُراغ نہیں ملتا۔ غرض جسم کا خاکہ تو اس پیچ در پیچ سلسلہ سے کھنچا جس کی بنا ایک قطرۂ آب سے شروع ہوئی اور غذا خون ناپاک سے ملی۔

پیدائش

ہمہ تن غلیظ و ناپاک گریہ و زاری کرتا شکمِ مادر سے اس جہان میں آیا اور زمانہ کا تختۂ مشق بنا اور طرح طرح کی احتیاجوں میں پھنسا۔ سردی کی ٹھٹھر نے ستایا۔ گرمی کی طپش نے جلایا۔ برسات کی اُمس نے پگھلایا۔ ہوا بند ہوئی تو دم ناک میں آیا۔ غذا نہ ملی تو جی گھبرایا۔ ساری عمر ان تکلیفوں سے

بکھیڑے اور ضرورتوں کے رفع کرنے میں سر کھپاتا اور محنت اٹھاتا رہا ؎

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے | ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چکے

طفلی

بے تمیزی اور محتاجی کے عالم میں بسر ہوئی ماں باپ نے جو کھلایا سو کھایا۔ جو پہنایا سو پہنا نیند آئی تو سو رہے۔ جاگے تو کھیل کود میں مصروف ہو گئے۔ اتنا ہوش کہاں تھا کہ بُرا بھلا سمجھتے۔

جوانی

وہ تو دیوانی مشہور ہی ہے۔ بالکل جذبات کی پریشانی میں گزری اُس کے نشہ نے اجازت نہ دی کہ زمانہ کے نشیب و فراز سے تجربہ حاصل کرے ؎ حضرت شیفتہ

یہ ہے نصیحت پیرانِ کار اُفتادہ | کہ بد بلا ہے جوانی بچو جوانی سے

پیری

یا جوانی کی بلا نہ رہو ئے (امینو) ہم جو پیدا ہوئے تو پیر ہوئے

بے اعتدالیوں کے باعث وقت سے پہلے پیری نے آ دبایا۔ قوت گھٹی ضعف بڑھا امید زندگی منقطع ہوئی۔ وہ بے وفا حواس جن کے مزے کیلئے جوانی کھوئی کج ادائی کرنے لگے۔ بینائی نے آنکھ چرائی۔ سفید سیاہ کی تمیز نہ رہی۔ قوت شامہ بھی نکتوڑے کرنے لگی۔ اب خوشبو بدبو کیسی دونوں یکساں ہیں۔ قوت سامعہ بھی آنا کانی کرنے لگی۔ اچھی بری بات برابر ہوئی ذائقہ نے منہ بنایا یا نہ میٹھا بھاتا ہے نہ سلونا۔ لامسہ بھی بےمس ہوگئی گرمی نرمی محسوس نہیں ہوتی۔ ہاضمہ میں کمی ہوگئی صحت میں فرق آگیا۔ قوی مضمحل اور ہوش مختل ہوئے عقل میں فتور پڑا۔ نسیان کا غلبہ ہوا۔ اعضا نے بھی جواب دیا کوئی کہنے میں نہ رہا۔ ہاتھ رعشہ سے کانپتے ہیں تو پاؤں چلنے میں لڑکھڑاتے ہیں چہرہ پر جھریاں پڑ گئیں۔ تیر سا قد کمان بنگیا۔ اُمنگیں دل میں بہت آئیں مگر ضعف کے سبب کوئی بر نہ آئی

ع عمر ضایع سعی باطل راہ دور

اس سے مزاج اور بھی چڑچڑا ہو گیا غصہ بڑھا زبان کھلی و میر والوں کو اجیرن ہوا اس زندگی

یہیں زندگانی وبال جان ہوگئی ۔ علم

غلط کار تھی ہماری نظر	کہ ہم اپنی کوشش کا سمجھے اثر
ہمارے تشخص نے کھویا ہمیں	ہماری خودی نے ڈبویا ہمیں
تردد میں غوطے لگایا کئے	اسی فکر میں سر کھپایا کئے
ہوا ہم کو دیوانگی کا خلل	یہ تھوڑی سی فرصت یہ طول امل
یہ دنیا کے دھندے معیشت کا غم	یہ دولت کے پھندے یہ جاہ وحشم
یہ خواہش کے جذبے یہ راحت کی چاہ	ہمارے لئے بن گئے سنگ راہ
ہمیں وہم نے سخت دھوکا دیا	نہ کرنا تھا جو کام ہم نے کیا
یہ دنیا کے دھوکے کی ٹٹی ہے سب	ہمیشہ رہی ہم کو اس کی طلب
دئے بے بہا لعل ہم نے فضول	عوض میں لیا کیا یہی خاک دھول
کٹی عمر غفلت میں اپنی تمام	گیا دن گزر ہونے آئی ہے شام

بیماری

ایسی حالت میں بیماری کا سامنا ہوا تو بلا کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں رہی سہی طاقت نے ایکدن کے بخار میں جواب دیا۔ صورت تو پہلے ہی بے رونق تھی۔ ایک رات کے تپ میں اتنا سا منہ نکل آیا۔ درد سر نے ایسا سر اٹھایا کہ سر اٹھانا مشکل ہوا۔ ناتوانی ایسی بڑھی کہ کروٹ لینی دشوار ہوگئی ہر چیز کی احتیاج اور خود درماندہ حاصل ہو تو کیونکر ہو۔ اس محتاجی اور بے بسی نے جو رنج دیا اُس کا صدمہ بیماری سے بھی زیادہ ہوا۔ بیگانوں نے منہ موڑا یار آشنا نے ساتھ چھوڑا۔ عزیز واقارب خدمت سے اُکتا گئے۔ اوپر والے خبر گیری سے گھبرا گئے۔ دعائیں مانگتے ہیں کہ کہیں جلدی جھگڑا چکے زندگی کی سرگذشت تو درد انگیز تھی ہی یہ آخری وقت اور بھی عبرت خیز ہوا ۔ ذوق

ہنگامہ گرم ہستی نا پایدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

مردہ جسم

(۱) وہ جسم جس کی حفاظت و آسائش میں تمام عمر بسر کی دم نکلتے ہی ایسا بھاری پڑا کہ لحظہ بھر رکھنے کا کوئی روادار نہ ہوا۔ یا تو زمین میں دبا کر خاک میں ملایا۔ یا دہکتی آگ میں جلا کر ہوا میں اڑایا۔

(۲) وہ جسم جو اکیلے گھر میں اندھیرے سے ڈرتا۔ آندھی سے گھبراتا۔ بارش سے بچتا۔ گرج سے سہم جاتا تھا اب تن تنہا گور تنگ و تار میں پڑا ہے۔ سنسان رات ہے چٹیل میدان ہے گھٹا کی تاریکی بجلی کی چمک۔ برسات کی جھڑیاں۔ جاڑے کی مہاوٹیں۔ آندھی کے جھونکے ہوا کے سناٹے سہ رہا ہے اور اُف نہیں کر سکتا۔

(۳) وہ جسم جس کو علم کا غرور۔ ہنر کا تکبر۔ حکمت کا گھمنڈ تھا اب علم نے مدد کی نہ حکمت بیان نہ چلی نہ ہنر نے کام دیا۔ سب خاک میں مل گئے۔ زار و نزار۔ ذلیل و خوار۔ بے یار و مددگار بے ہوش و بے خبر خاموش پڑا ہے۔

(۴) وہ جسم جس کو تاج و تخت کا۔ بہت سے ملکوں کا۔ بیشمار چیزوں کا دعویٰ تھا اب دو ڈھائی گز زمین اور چار پانچ گز کپڑے کے سوا کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لے جا سکا۔

(۵) وہ جسم جو نشہ حکومت میں سرمست اور بادۂ دولت سے سرشار تھا جس کو کسی کے آگے سر جھکانا یا زمین پہ قدم رکھنا ناگوار تھا اب نقش پا کی طرح ایک جہان کی روندن میں آ رہا ہے اور کسی کا کچھ نہیں کر سکتا۔

(۶) وہ جسم جس کو ذرا سے بار کی تاب یا گرد و غبار کی سہار نہ تھی اب اُس کی چھاتی پر منوں مٹی کا ڈھیر پڑا ہے۔

(۷) وہ جسم جو گل سے زیادہ نازک اور نسیم و صبا کے چھونے سے میلا ہوتا تھا جس کو پھولوں کی سیج پر کل نہ پڑتی تھی اب اُس کو نہ تکیہ میسر ہے نہ بستر فرش خاک ہے اور کنکر پتھر۔

(۸) وہ جسم جو قصر شاہانہ اور ایوان زرنگار کو اپنے آرام کیلئے کافی نہ سمجھتا تھا اب اس کو خاک ہو کر دوسروں کا خشت مزار بننا پڑا۔

(۹) وہ جسم جس کے ہوش و حواس ایسے سانحے سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے اب اُس پر یہ سب واقعات گزر رہے ہیں اور وہ دم نہیں مار سکتا۔

آخری گت

انجام کار اگر دفن کیا گیا تو سڑ کر کیڑوں کی غذا بنا اگر جلایا گیا تو خاک سیاہ ہو کر برباد ہوا۔ اور جو ان دونوں صورتوں سے کوئی نصیب نہ ہوئی تو جانوروں نے تکا بوٹی کیا۔ ۵ ۷ دم

گر میان مُشک تن را جا شود — روز مردن گند او پیدا شود

قید دائمی

ان ساری مصیبتوں کے علاوہ ابتدا سے انتہا تک ہمیشہ قید میں کٹی کبھی آزادی نصیب نہ ہوئی۔ ولادت کا آغاز زندان رحم میں ہوا۔ وہاں سے چھٹا تو آغوش دایہ میں گرفتار ہوا یہاں سے رہائی ملی تو اُستاد کی حوالات میں بند ہوا۔ یہاں سے جان بچی تو آداب و مراسم کی قید۔ احکام مذہب کی قید ان قیدوں میں ایسا پھنسا کہ مرتے دم تک چھٹکارا نصیب نہ ہوا۔ آخر کار قبر میں دائم الحبس کیا گیا۔

تاثیر صحبت

جسم کی خود تو یہ دُرگت ہوئی۔ اب اُس کی صحبت کا اثر سنئے۔ لباس نے مصاحبت اختیار کی تو بو آنے لگی میلا کچیلا ہو گیا۔ غذا نے رفاقت کی تو پلید و نجس ہو کر جدا ہوئی۔ ہوا مُنہ میں گئی تو خراب ہو کر نکلی۔ پانی پیٹ میں گیا تو ناپاک ہو کر واپس آیا۔ غرض جس کا حال وہ ہو اور صحبت کا اثر یہ ہو۔ اس پر جان دینا اور اُسکو اپنا آپا ماننا دیدہ و دانستہ دوسرے کی بلا اپنے سر لینا اور مفت عذاب میں پھنسنا ہے ۵۔

چوں نہ رہ حال ایں تنِ پر حیف را (۷ دم) نے تشنا را شاید و نے صیف را

اے تنِ ناکارہ ترکِ من بگو — عمرِ من بُردی کسے دیگر بجو

خطبہ (۲)

یہ علم کہ میں جسم ہوں محض دھوکا ہے۔ کیونکہ جسمِ کثیف گوشت و پوست سے بنا ہے جو بے شعور متغیر و محتاج و حادث ہے۔ اور تو نور لطیف صاحب شعور آزاد و مستغنی و قدیم ہے ۵ واعظ

اصلِ تو نباشد از عناصر — اے از تو زبانِ خلق قاصر

غلط فہمی

تجھ میں اور جسم خاکی میں مناسبت کیا ہے؟ دیکھنا باصرہ کا۔ سننا سامعہ کا۔ سونگھنا شامہ کا

کام ہے۔ یہ حواس تو حسب فطرت اپنا اپنا کام کر رہے ہیں ایک دوسرے کے کام میں مطلق دخل نہیں دیتا۔ پھر
ان میں سے تیرا کون سا کام ہے؟ تو غلط فہمی سے اُن کے کام کو اپنے کام جانتا ہے۔ اس لئے رنج وراحت
میں مبتلا ہوتا ہے حالانکہ تیرا تعلق صرف اتنا ہے کہ ان کی مدد کرے ؎ واعظ

درخور نظر از حواس کردی	حیوانی اگر قیاس کردی
عالم ز حضور تست حیراں	اما چو تو غافلی چہ درماں

جسم کو جوانی نے بڑھایا پیری نے گھٹایا فالج نے مارا لقوے نے ستایا بصارت سماعت نے جواب دیا۔
اب غور کرو کہ ان تغیرات سے اصل زندگی میں کیا فرق آیا؟ تو ہر وقت اور ہر حالت میں جیسا تھا ویسا ہی ہا ؎

تو از آں بگذشتہ کز مرگ تن	ترسی از تفریق اجزائے بدن

پھر جسم کی معدومی یا اُسکی خواہشوں کے بر نہ آنے سے تیرا کیا بگڑا جو رنجیدہ ہوتا ہے۔ ہاں تو اپنے
وہم میں آپ مبتلا ہے جیسے عنکبوت اپنے جالے میں ؎ شاہ حمزہ

دست داری در بن کاہ خودی	کے رہائی یابی از چاہ خودی

تعجب ہے جہاں سے آیا اور جہاں جائیگا اُسے عدم جانتا اور جہاں حباب دار ایک دم کا مہمان
ہے اُسے موجود مانتا ہے ؎ درد

نیست را بنمود ہست آں محتشم	ہست را بنمود بر شکل عدم
آفریں اے اوستاد سحر باف	کہ نمودی معرضاں اندر وصاف

تعلیم فنا

فانی شو اگر بقات باید	بگذر ز خود ار خدات باید
تا از تو بود ترا گرانی	در اسفل سافلیں بمانی

(واعظ)

جس جسم کی بدولت تو اس چکر میں آرہا ہے وہ خود زبان حال سے کہتا ہے کہ دیکھ میرا نیچے کا
حصہ بشکل (لا) بنا ہے اور اوپر کا حصہ اُس (لا) پر قائم ہے پس میری مجموعی ہیئت فنا پر دلالت کرتی
ہے اور خود میری حالت گواہ ہے کہ جو طفلی میں تھا جوانی میں نہ رہا اور جو جوانی میں ہوں پیری میں نہ رہونگا ؎

یہ اقامت ہمیں پیغامِ سفر دیتی ہے (ذوق) زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

اور جسم سے بڑھکر اُس کے حواس تجھے آگاہ کر رہے ہیں کہ تُو نیستی کا طالب ہو کیونکہ طلب اُسی چیز کی ہوتی ہے جو نہیں ہوتی چنانچہ حواس اُنہیں چیزوں کو ڈھونڈتے ہیں جن کو نہیں پاتے ہے نُرّا

مردِ کارندہ کہ انبارش تہی است شاد و خوش نے بر امیدِ نیستی است

کہ بروید آں ز سوئے نیستی فہم کن گر واقفِ معنیستی

اگرچہ تجھ کو فنا کی تعلیم صاف صاف ہو رہی ہے ع

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم

مگر تُو اپنے آپ میں ایسا گرفتار ہے کہ کسی بات پر کان نہیں دھرتا اور اپنی جسمی حالت میں ایسا پھنسا ہے کہ پہلی حالت کے تصوّر سے ڈرتا اور اُسکی طلب سے جھجکتا ہے ہے رومؔ

ہمچو آں ہندو بچہ اے خواجہ تاش روزِ محمودِ عدم ترساں مباش

از وجودے ترس کاکنوں در دوئی آں خیالت لاشئے و تو لاشئ

اور کچھ نہیں سمجھتا کہ فنا میں کیا خوبی ہے ہے مولوی معنوی

از جمادی مُردم و نامی شدم وز نما مُردم بہ حیواں سر زدم

مُردم از حیوانی و آدم شدم پس چہ ترسم کے ز مردن کم شدم

حملۂ دیگر بمیرم از بشر تا بر آرم از ملایک بال و پر

از ملک ہم بایدم جستن ز جو کُلُّ شَیٔءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ

بار دیگر از ملک قرباں شوم آنچہ در وہم نیاید آں شوم

پس عدم گردم عدم چوں ارغنوں گویدم کانا الیہ راجعون

طفلِ نوزاد تنگنائے رحمِ مادر سے اس جہان آتے ہوئے روتا ہے کیونکہ اُسکو اس جہان کی وسعت و فراخی کا علم نہیں ہوتا۔ ایسے ہی تُو نادانی سے مبتلائے وہم ہو کر اُس عالَم کی فضا کو فراموش کر بیٹھا اور وہاں جاتے ہوئے ڈرتا ہے ہے رومؔ

ترس ولرزہ باشد از غیر یقین
ہیچکس از خود نہ ترسد اے حزیں

آں توئی کہ بے بدن دارد بدن
پس مترس از جسم جاں بیروں شدن

روح دارد بے بدن بس کار و بار
مرغ باشد در قفس بس بے قرار

باش تا مرغ از قفس آید بروں
تا بہ بینی ہفت چرخ او را زبوں

مبتلائے وہم

حواس باطنی میں سے ایک حس وہم بھی ہے اُس کا کام یہ ہے کہ اُن اشیا سے جو پہلے کبھی نہیں دیکھی یقین معنی جدید پیدا کرے چنانچہ اس عالم کثرت کو جس کے لباس میں ذات واحد ظاہر ہے غیر سمجھتا اور ذات کو اُس سے جدا تلاش کرتا ہے مگر جب وہم دور ہوتا ہے تو کہتا ہے ؎

من نیم ہیچ ذات اوست ہمہ
ہر دو عالم صفات اوست ہمہ

آہ! وہم و پندار نے ذات سے بیگانہ بنا رکھا ہے ؎ میو

وہ کسی سے نہیں ہے بیگانہ
پر کوئی آشنا نہیں اُس سے

قلندر صاحب

تو حجاب و پردۂ خود خود بدی
چوں بجائے خود رسیدی خود شدی

ہیچ گم ناکردہ می جوئی مدام
غافلی از خود چہ گویم والسلام

اگر حقیقت حال عقل میں آئی اور جسم کو مستقل جانا اور خواہشوں کے پورا کرنے میں لگا رہا تو آخر ایک نہ ایک دن وہ فنا ہو جائے گا اور تو اُس کی معدومی اور خواہشوں کی محرومی سے ضرر مبتلائے عذاب ہو گا ؎ اعلم

توہم نے رستہ بھلایا ہمیں
کہ فانی کو باقی دکھایا ہمیں

ہے اُستاد کامل کی کاریگری
کہ خالی تھی مٹھی دکھا دی بھری

پڑے بے خبر ہائے سوتے رہے
عبث نقد اوقات کھوتے رہے

کھلا بھید ہم کو نہ اس بات کا
کہ ہے یہ تماشا طلسمات کا

نہ سمجھے کہ ہے شعبدہ یہ جہاں — نیا سانگ ہوتا ہے ہر دم عیاں

عدم نے مچائی عجب دھوم دھام — سفر کو سمجھنے لگے ہم قیام

یہ تھا مرحلہ جس کو سمجھے تھے گھر — مہیا کیا کچھ نہ زادِ سفر

جسے اصل سمجھے تھے بے اصل تھا — جسے وصل سمجھے تھے وہ فصل تھا

جسے گل سمجھتے تھے نکلا وہ خار — خزاں بن کے آئی تھی شکلِ بہار

تدبیر رفع وہم

اندیشۂ غیر مختصر کن — بنشیں و درونِ خود سفر کن

خود را ز وجود خود جدا کن — (واعظ) یک لحظہ شمار خود رہا کن

گر باز رہی ازیں کمیت — تحقیق شود ترا معیت

اس بلائے جاں ستاں سے بچنے کیلئے اول اس طرف دل لگائے کہ جو ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے کسی وقت اور کسی حالت میں اسکو ہم سے دوری نہیں ہم کو اس سے مہجوری ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ سے مرقوم

آنچہ حق است اقرب از حبل الورید — تو فگندی تیرِ فکرت را بعید

تیر در ترکش نہ و بنشیں خموش — اے منت قرباں صلا حم کن بگوش

معنی لا الٰہ الا اللہ

لا الٰہ ماسوائے کی نفی ۔ الا اللہ ذات کا اثبات یعنی غیر اللہ سے دل کو خالی اور یاد حق سے معمور کرنا اور عالم کو مثل لا کے دیکھنا اور سمجھنا کہ صورت میں موجود اور معنی میں نہیں جیسے لا کی شکل کا ظہور بے الف کے محال ہے اسی طرح عالم کی نمود بے ہستی ذات کے ناممکن ہے کیونکہ جو کچھ نظر آرہا ہے یا عقل و خیال میں سما رہا ہے واقع میں ذات یکتا کے صفات و افعال سے ہے ورنہ وہ بذات خود ہیچ و لاشے ہے ۔

یا یوں سمجھنا چاہیئے کہ الا اللہ سے مراد ہے موجود حقیقی یعنی ذات یکتا جو عالم الوہیت ہے اور لا الٰہ سے مراد ہیں اسکی ایجاد کی ہوئی اشیا جو عالم عبودیت ہے اور نیست ہست نما ہے اور در اصل فانی و معدوم ہے کیونکہ ذات یکتا ہی نے ہر تعین میں تعین اور ہر قید میں مقید ہو کر مختلف نام پائے ہیں مگر اس اختلاف

وکثرت سے ذات کی یکتائی میں کچھ فرق نہیں آیا جیسے آئینہ خانہ میں جہاں مختلف رنگ و پیمانے کے آئینے ہوں وہ ذات ناظر کو اپنے اپنے رنگ و پیمانہ پر دکھاتے ہیں مگر اس سے ناظر کی ذات میں کچھ تغیر نہیں آتا اور وہ رنگوں اور پیمانوں سے پاک و صاف ہے۔ پس جب ذات یکتا قیود و تعینات سے پاک و مجرد ہوتی ہے تو اسکو حق کہتے ہیں۔ اور جب قیود و تعینات کے لباس میں معلوم ہوتی ہے تو اسکو عالم یا خلق بولتے ہیں یہاں سے معلوم ہوا کہ عالم کیا ہے؟ ظاہر حق۔ اور حق کیا ہے؟ باطن عالم۔ اور عالم قبل ظہور کیا تھا؟ عین حق۔ اور حق بعد ظہور کیا ہے؟ عین عالم۔ غرض وہی ایک ذات ہے جس کے یہ نام ہوئے اُس کے سوا کچھ نہیں وہی ظاہر وہی باطن وہی اوّل وہی آخر۔ باقی سب نسبتیں اور اعتبارات ہیں لیکن جو کوئی فرق مراتب نکرے اور عالم کو حق یا حق کو عالم کہے وہ زندیق و ملحد ہے پس معنی لاالہ الا اللہ کے یہ ہوئے کہ سوائے ذات حق کے کچھ نہیں اور ماسوا یعنی ایجاد کی ہوئی اشیا سب فانی وہالک ہیں ؎ رومؒ

گر ترا چشم است بکشا در نگر بعد لا آخر چہ می ماند دگر
تا نخوانی لا و الا اللہ را در نیابی منہج ایں راہ را

قرب

جس نے فعال لما یرید پر خیال جمایا اور باوجود کثرت کے اشیا کو ذات واحد سے جانا اور سمجھا اُس نے منزل قرب میں قدم رکھا اور جس نے کل شئی ھالک کا یقین کیا اور چشم بصیرت و دیدہ حال سے ذات واحد کے سوا اور کچھ نہ دیکھا اُس نے زمرہ صدیقاں میں دم مارا ؎ رومؒ

ہالک آمد پیش وجہش ہست و نیست ہستی اندر نیستی خود طرفہ ایست
پیش بے حد ہرچہ موجود ست لاست کل شئی غیر وجہ اللہ فناست

وحدت

جب تعینات من و ما کا پردہ جو حجاب ذات ہو رہا تھا تجلی وحدت سے محو ہو گیا اور دوئی کا حجاب اُٹھ گیا تو اس حال کو فنائے نفس کہتے ہیں یعنی سالک اپنے نفس سے فنا ہو کر سوائے ذات واحد کے جو مرجع و مقصد ہے کل اشیا کی کسی کو نہیں دیکھتا اور اپنے حرکات و سکنات و کردار کو افعال ذات

دیکھتا اور محلِ فعلِ فاعلِ حقیقی سمجھتا ہے ؎ شاہ حمزہ

چوں بیاندازی نظر را سوئے شے ۔۔۔ در نظر آید خدا نے روئے شے

اِس سے یہ غرض نہیں کہ جو کچھ نظر آرہا ہے وہ دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ یہی صورتیں بدستور نظر آتی ہیں لیکن ان کے معنی پہلے کچھ اور تھے پھر کچھ اور ہو جاتے ہیں۔ اَن پڑھ کے نزدیک یہ تحریر سیاہ لکیریں ہیں۔ مگر پڑھا لکھا آدمی ان لکیروں کے اندر کچھ اور ہی بہار دیکھتا ہے جیسے نابینا موتی کو سنگریزہ محسوس کرتا اور بینا اُس میں آب و تاب مشاہدہ کرتا ہے۔ یا جیسے بے بصر قفس مرغ کو مرغ سمجھتا ہے اور صاحب بصارت مرغ کو قفس سے علیحدہ دیکھتا ہے۔ رُباعی

از ساحتِ دل غبارِ کثرت رُفتن ۔۔۔ خوشتر کہ بہرزہ دُرِّ وحدت سُفتن

مغرور مشو کہ اصل توحیدِ خدا ۔۔۔ واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

حالت سالک

جب سالک دائرہ لاالٰہ سے گزر کر دائرہ الا اللہ پر پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ کہتا نہیں اور جو کہتا ہے وہ پہچانتا نہیں۔

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ لوگ گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور میں لاالٰہ الا اللہ کہنے سے۔ گروہ عامی کی نجات کیلئے صرف یومنون بالغیب اور پابندی اوامر و نواہی کافی ہے مگر خواص اس سے گزر جاتے ہیں کفر و اسلام ان کو تلاش کرتا ہے اور پتا نہیں پاتا۔ جب تک سالک علم شبہ و شک سے نہیں نکلتا نفس ہمرنگ قلب اور قلب ہمرنگ روح نہیں ہوتا۔ یہاں پہنچکر علم الیقین حاصل ہوتا ہے۔ اُس کے بعد عین الیقین کی دُھن لگتی ہے اور خیالات علمی صورت پکڑنے لگتے ہیں بعدہٗ حق الیقین کی منزل ہے ؎ آدم

چوں رسی در منزلِ حق الیقیں ۔۔۔ سرِّ اَو اَدنےٰ دریں منزل ببیں

لی مع اللہ را وصال اینجا بود ۔۔۔ جملہ کامل را کمال اینجا بود

حضرت غوث الاعظمؒ کا ارشاد ہے کہ ناسوت شیطانِ سالک ہے اور ملکوت شیطان عارف اور

جبروت شیطانی واقف۔ اور جب تک سالک ظلال اسمائی یعنی صور محسوسات اور اعیان ممکنات کو فانی نہ جانے اور جسم کو لذت سے نفس کو شہوت سے قلب کو خطرات سے اور روح کو زینت سے پاک صاف نہ کرے بارگاہ عظمت وجلال میں اس کو بار نہیں ملتا ؎

ہیچکس را تا نہ گردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

بلکہ تعینات اسمائی وصفاتی سے بھی گزر جائے چنانچہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا ہے وکمال الاخلاص نفی الصفات عنہ۔

پہلی مشق لا الٰہ الا اللہ

لا الٰہ۔ کل اشیائے جہاں ذات حق میں گم یعنے ذات حق کے سوا کچھ نہیں ع

ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

الا اللہ۔ کل اشیائے جہاں میں ذات جلوہ گر ہے یعنی ذات کے سوا کچھ نہیں ع

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

غرض اشیا کے ظاہر و باطن میں وہی جلوہ نما ہے اشیا کوئی چیز نہیں ع

بر عارفاں جز خدا ہیچ نیست

ہو الاول۔ ہو الآخر۔ ہو الظاہر۔ ہو الباطن۔ غرض جو کچھ کائنات میں نظر آئے یا عقل و تصور میں سمائے ایک ایک کی نفی کرے بعدہٗ جو باقی رہے اُس کو ذات حق یا اپنا آپا سمجھے مگر سمجھنا اور ہے دیکھنا اور پھر ہونا اور بات ہے ؎ شاہ حمزہ

از عرف ربی بربی رو بخویش مذہبِ خود را گزیں در دین و کیش
پیش خود سجدہ نما ایماں بیار رو خدا ہے را خدا انبود بکار

نتیجہ یہاں سے ظاہر ہے کہ راہ حق طالب میں ہے نہ کہ اس سے باہر اُس کا مقصد اُسی میں ہے نہ کہ اُستاد و کتاب میں ؎ مولوی معنوی

نیست بیروں از درِ تو ہر چہ ہست چند جوئی راہِ حق بالا و پست

جاہد وفینا بگفت آں شہریار | جاہد وغنا نگفت اے بیقرار
جمال بے نشاں داری تو بردر | (عطا) حقیقت اوست درجان تو رہبر
تو خود بشناس وحق شود حقیقت | بروں آ از ہوا واز طبیعت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے یوں ارشاد فرمایا اے میرے فرزند تیرا فکر تجھ میں کافی ہے تیرا درد اور تیری دوا تجھی میں ہے۔ کوئی چیز تجھ سے باہر نہیں تو ام الکتاب ہے گو ظاہر میں تیرا جسم چھوٹا سا ہے مگر اس کے اندر بڑا جہان ہے ؎ رقم

درد تو از تست ودرماں ہم توئی | خود عیاں گشتی وپنہاں ہم توئی
تو ز خود آیات خود را باز یاب | در حقیقت خود توئی ام الکتاب
گر تو آدم زادۂ چوں او نشیں | جملۂ ذرات را در خود ببیں
چیست اندر خم کہ اندر بحر نیست | چیست اندر خانہ کاندر شہر نیست
جوہر است انسان وچرخ اورا عرض | جملہ فرع وسایہ اند وتو غرض
کانچہ می جستی زچرخ باہنیب | سر برآوردہ است اے موسیٰ زجیب

دوسری مشق اللہ

وہ گنج ذات کیا کچھ ہوگا یارب میں تو حیران ہوں | حفاظت کے لئے جس پر طلسم دو جہاں باندھا
گر خدا گوئی خدا جوئی مکن | ورنہ می جوئی مخواں لفظ کہن

اللہ جو حقیقت قلبیہ میں ظاہر ہوتا ہے اس کو لفظ اللہ کا مدلول (معنی) سمجھے۔ تیرا جسم صورت ہے مظہر روح کی اور روح صورت ہے مظہر حق کی پس صورت جسمانی وروحانی دونوں صرف خیال ہیں۔ اور وہ حقیقت جو ان صورتوں میں جلوہ نما ہے اسکی طرف متوجہ ہونے سے معلوم ہوگا کہ خود تو ہی ہے ؎ حضرت عطار

خدا بیں خویشتن را خود مبیں تو | کہ تا گردی بکل عین الیقیں تو
تو گر معشوق می جوئی تو اوئی | حقیقت آب در عین سبوئی

کب کی نظر لگی تھی دروازۂ حرم سے (میر) پردہ اُٹھا تو لڑیاں آنکھیں ہماری ہم سے

تیسری مشق ہُو

مراقبہ معیت و میت و قرب و وحدت و کلیت و فنا و بقا و غیرہ بہت ہیں مگر سب کا لُب لباب یہ ہے کہ خیالات کو سب طرف سے جمع کر کے بے پلک جھپکائے خلاص تصوّر ھو کرے یعنی ظاہر و باطن پست و بلند ہر جگہ اور ہر وقت وہ ذات جلوہ گر ہے۔

الحاصل اس تصور کی مشق یہاں تک کرے کہ اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے۔ شادی و غم ہر وقت و ہر حالت میں بلا ارادہ و بلا خیال یہی تصوّر رہے۔ اس مشق سے نہ خودی باقی رہے گی نہ کسی کام کو اپنی طرف منسوب کرے گا بلکہ سب ذات حق سمجھے گا ؎

تا نگردی ذرۂ دریائے ہو دُر وحدت را نیابی ہیچ رو

آثار رفع وہم

صد بار اگر نیست شود عالم ہست واقف نہ شود کہ ہست عالم یا نیست

اگر دونوں جہان ذرہ ہائے شعاع کی مانند تلاطم میں آئیں اور قلب اپنی جگہ سے نہ ہلے تو یقین کرنا چاہیے کہ اب تعلقات وہمی سے پاک ہوا۔ اور موتوا قبل ان تموتوا کی حالت نصیب ہوئی ورنہ یہ دعویٰ کہ ہم جسمانی خواہشوں سے بری ہیں محض دھوکا ہے ؎

تا کے بہ زباں خدا پرستی ایں نیست مگر ہوا پرستی

خطاب (۳)

اے رند قلندر راز کجائی (واعظ) سرگشتہ بہر درے چرائی

خواہی کہ سفر کنی قدم زن لبیک زناں دَمِ حرم زن

گرچہ رہِ بیم ناک داری اللہ معک چہ باک داری

جب قلب سے میں تو او میرا تیرا کا خیال مٹ گیا تو سمجھنا چاہیے کہ اب راہ راست پر آگیا ؎ نظم

ہر کہ بے من شد ہمہ مہلا دوست یار جملہ شد چو خود را نیست دوست

اس کے بعد جس طرف میلان باقی رہا ہو رد کرے اور اس خیال پر جمے کہ میں کل ہوں مجھ سے جدا کیا ہے جو خواہش کروں۔ خواہش تو حواس کا خاصہ ہے جو میری مد سے پیدا ہوئی ہے ؎

میں اگر وہ ہوں جو ہونا چاہیئے — بس ہی میں ہوں پھر مجھے کیا چاہیئے

اس مشق سے دل کو صفائی حاصل ہوگی اور خطرے دور ہو کر حق ہی حق باقی رہجائیگا ؎

بگذر از صوت صدا جملہ ہوست — در تعلق پا منہ جملہ خدست

حضرت غوث الاعظم کے الہامات میں ہے کہ انسان کو میں نے اپنی ذات سے ظاہر کیا ہے وہ بذات خود کوئی چیز نہیں۔ اُس کے ہر قول و فعل و حرکت میں پنہاں محرک میں ہوں میں ہر چیز کا ملجا و ملوا ہوں اور سب اشیا پر محیط۔ کل اشیا مجھ سے ہیں جو بذات خود فانی و ہیچ ہیں۔ کیونکہ جب تجلی رب کی مربوب پر ہوئی تو مربوب کہاں۔ جیسے آفتاب کے مقابل چراغ کی کیا تاب جو ٹھیر سکے۔ بانسے نواز کے سامنے نے کا کیا حوصلہ جو دم مار سکے ؎ رومؒ

دو دہاں داریم گویا ہم چو نے — یک دہاں پنہاں ست در لبہاے وے

لیک داند ہر کہ اورا منظر ست — کہ فغاں این سری ہم زاں سر ست

خطرات کا آنا

صد سوال و صد جواب اندر دلت — مے رسد از لامکاں تا منزلت

دل میں خطروں کا آنا خاصیت ذاتی ہے اور ان کا روکنا جیسا کہ مشکل ہے ویسا ہی آسان بھی ہے۔ مشکل تو یوں ہے کہ آئے بغیر نہیں رہتے اور آسان یوں ہے کہ ماسوا کو اٹھا کر ذات ہی کا تصور کرے

ع چو غیر نیست چرا رفع این غبار کنم

خیال کرے کہ جب ذات حق ہی سے قلب متحرک ہوتا ہے تو جو خطرے اُس میں آتے ہیں وہ بھی ذات حق سے ہیں ؎ شاہ حمزہ رحمۃ اللہ

ہر چہ آید در دلت بیجا بجا — خوش بگو واللہ امرنا ہکذا

جملہ عالم را کلام اللہ داں — خطرہ گر آید سلام اللہ داں

کیونکہ عالم نے ذات حق سے اسی طرح ظہور پکڑا ہے جیسے رنگوں نے آفتاب سے یعنی حق آفتاب ہے
تو قلب نورِ شعاع اور عالم اس کا عکس جس میں بے شمار رنگ ظاہر ہیں۔ پس ان اوصاف گوناں گوں میں
وہ آفتاب ذات جلوہ گر ہے۔ اس لئے جس نے اپنے آپ کو غیر سمجھا وہ ہستی وہمی میں گرفتار ہو گیا اور
جس نے اپنی ذات کو عین حق جانا وہ خود کچھ نہ رہا وہم سے آزاد ہو گیا۔ قلندر صاحب

چوں ہمہ موجود از ذاتِ خداست　　　نے خدا باشد نہ از وے ہم جداست

پھر نہ اس کو اشیائے فانی سے دلبستگی رہے گی نہ تعینات پر نظر پڑیگی۔ ذرا تامل سے دیکھو
کہ یہ چیزیں جو نظر آرہی ہیں نہ پہلے تھیں بعد میں رہیں گی۔ حال میں بھی نہیں۔ کل شیئی ھالک الا وجھہ

رقم

اول و آخر توئی ما درمیاں　　　ہیچ ہیچے کہ نیاید در بیاں

پہلے بھی ذات حق تھی آخر میں بھی وہی رہے گی بیچ میں بھی اُسکے سوا کچھ نہیں۔ غالب

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا　　　ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

تنزلات کا چکر

بشنو از نے چوں حکایت می کند (رقم) وز جدائی ہا شکایت می کند

آفتاب کی بدولت سمندر سے بخارات اُڑتے اور ہوا پر کہیں کے کہیں مارے پھرتے ہیں۔
کسی جگہ ابر بنکر رعد برق سے آسمان سر پر اُٹھاتے ہیں۔ کہیں برف و ژالہ بنکر گرتے اور وہیں کے
ہو رہتے ہیں۔ کسی مقام پر موسلا دھار مینہ بنکر برستے اور زمین پر طوفان مچاتے ہیں وہیں پانی نالوں
سے ندیوں پر چڑھائی کرتا اور ندیوں سے دریاؤں کا جوش و خروش بڑھاتا لہریں مارتا بل کھاتا
سمندر کا رستہ لیتا ہے ہموار زمین پر پانی کی روانی نظر آتی ہے مگر آبشار پر پہنچکر نمونہ حشر برپا کر دیتی
ہے۔ شور و غل کی ہیبت ناک صدا اور تلاطم امواج کا ہوش ربا ہنگامہ دل کو دہلاتا ہے۔ موجوں کی
ترکتاز اور ایک کا دوسرے کو فنا کرنا حوادث روزگار کا تماشا دکھاتا ہے۔ اس ہنگامہ ستخیز کے بعد
کچھ آگے چلکر پھر وہی عالم سکوت طاری ہوتا ہے گویا دنیا کا بین العدمین ہونا آنکھوں کے سامنے
پھر جاتا ہے۔ کہیں کچھ پانی قُلہ کوہ پر برف بنکر جم رہا یا چلتے چلتے راہ بھولکر کسی گڑھے میں جا گرا

تو منزل مقصود سے باز رہکر پڑا سڑا کرتا ہے۔ ان عوائق کو پھر آفتاب ہی اپنی نظر عنایت سے دور کرتا ہے یا تو گرمی شعاع بخار بنا کر دوش ہوا پر اُڑاتی ہے۔ یا پگھلا کر دریا کی جانب رواں کر دیتی ہے اور آخر کار اپنی اصل سے جا ملتا ہے ؎

ہر چہ بینی سوے اصلِ خود رود　　جزو سوئے کُل خود راجع شود

سُن تیرا حال بھی بعینہ یہی ہو رہا ہے کہ ذات سے جدا ہو کر خواہشوں میں مبتلا کہیں کہیں مارا پھرتا ہے ذات سے علم میں علم سے ارادہ میں اور ارادہ سے ظہور میں آیا۔ ان تنزلات کے چکر میں پڑ کر اپنی اصل کو فراموش کر بیٹھا۔ اب وہم و نادانی سے جسم کی خندق میں گر پڑا اور خواہشوں کی سردی سے برف کی طرح جم گیا۔ پس راہ راست سے بہت دور اور بلاؤں کے نرغہ میں مجبور ہے ؎ عطار

اگر تو ترک خود گیری خدائی　　چرا چندیں تو در عین بلائی

تنزلات کا علم

جس وقت اپنی شناخت کی طرف توجہ ہوئی آفتاب ہدایت چمک اُٹھا۔ اِدھر شعاعیں پھیلیں اُدھر ظلمت وہم کافور ہوئی۔ اِدھر گرمی پیدا ہوئی۔ اُدھر خواہشوں کی برف پانی پانی ہونے لگی عقل ٹھکانے لگی۔ اوسان درست ہوئے خیالات سیدھی راہ پر آئے۔ غفلت سے آنکھ کھلی ؎

حجابِ رُخِ یار ہم آپ ہی تھے　　کھلی آنکھ تو کوئی پردہ نہ دیکھا

یہاں کے سب تعلقات و اضافات جو محض وہمی و خیالی ہیں آخر میں بالکل نہیں رہتے ملک و مال اور اہل و عیال تو درکنار خود جسم و جان بھی اپنے نہیں۔ پس جب کوئی اپنا نہیں تو آخر میں کون ہوں؟ اور میرا کیا ہے؟ یہ سب دعوےٰ تو بازیگر قلب کی شعبدہ بازی سے پیدا ہوئے ہیں ورنہ میں یا میرا نہ پہلے تھا نہ اب ہے ؎

ایں تماشا ہا طلسمے بیش نیست　　در گذر از جملہ اسمے بیش نیست

اور لُطف یہ ہے کہ میں اُس سے پھر اُس کے شعبدوں سے مجھے کیا سروکار ؎ نرم

من چو مرغِ او جم اندیشہ مگس　　کے رسد بر من مگس را دسترس

عوالم

اس عالم میں جو کچھ نظر آرہا ہے۔ اس میں بعض اجسام کثیف ہیں۔ بعض لطیف اور بعض الطف
کثیف تو وہ ہیں جن کے اجزا باہم پیوستہ ہیں اور اپنی جگہ دوسرے کو نہیں آنے دیتے جیسے پتھر اینٹ
وغیرہ۔ لطیف وہ ہیں کہ نظر تو نہیں آتے مگر حرکت سے محسوس ہوتے ہیں جیسے ہوا اگر وہ بھی جگہ
گھیرتے ہیں اس لئے کثیف کے ہم پلہ ہیں۔ جب تک ایک ہوا سے جگہ خالی نہ ہو دوسری ہوا اُس جگہ
میں سما نہیں سکتی۔ البتہ روشنی ایسی چیز ہے کہ ہزاروں چراغوں کی ایک ہی جگہ میں سما جاتی ہے۔
اس لئے ان سب سے الطف ہے مگر کثیف اشیاء کے اندر جانے سے وہ بھی قاصر ہے۔ یہ تو وہ عالم ہے
جو جہات و تعینات کا پابند ہے۔ اس سے بالاتر عالم تصوّر و خیال ہے کہ اُس کو نہ کوئی حجاب مانع نہ کوئی
چیز سدِّ راہ مگر خیال میں بھی یہ کسر ہے کہ وہ ارادہ اور قدرت کا محتاج ہے البتہ جہاں ارادہ و قدرت کی
بھی حاجت نہیں وہ مقام خلاف ہے کہ عرش سے فرش تک جہاں تلاش کرو موجود ہے مگر وہ بھی
تعین سے خالی نہیں۔ ہاں اس کے بعد عقل سلیم کہتی ہے کہ عالم لامکاں و لاتعین ہے جس میں یہ سارے
عالم سمائے ہوئے ہیں مگر عقل اس کی حقیقت کے ادراک سے درماندہ و حیران ہے۔ پھر سب
اُن عوالم مکان و لامکاں کا ہنگامہ ہم میں موجود ہے در ہم ہی در اصل اُسکے موجد قیوم ہیں۔ قلندر صاحب

هر چه باشد خود توئی غیرِ تو نیست　　　　خود حجابِ خود شدی ورنہ یکیست

میں کون ہوں

جملہ عالم مجھ میں اور مجھ سے ہیں تو پھر میں کون ہوں؟ میں جسم یا خواص جسم نہیں کیونکہ
میرے بغیر جسم کو میرے نام سے کوئی نہیں پکارتا۔ بلکہ میرا جنازہ کہتے ہیں میں نفس نہیں قلب
نہیں روح نہیں۔ کیونکہ یہ سب میرے ہیں۔ میں اُن پر محیط ہوں۔ میں اُن سے پاک و برتر ہوں۔
آخر میں کون ہوں؟ نہ میں مقید ہوں نہ مطلق۔ نہ میری ابتدا ہے نہ انتہا۔ نہ میں نور ہوں نہ ظلمت
نہ یقین ہوں نہ گمان۔ یہ سب مجھ سے ہیں اور میں ان میں موجود ہوں۔ اچھا تو میں کون ہوں؟ سردی
جاڑا گرمی برسات بہار یہ سب زمانہ میں ہیں اور زمانہ ان میں۔ ایسا ہی میں سب میں شامل اور سب پر محیط

ہوں۔ صحن سائبان۔ جنوبی حجرہ۔ شمالی دالان۔ یہ سب مکان میں ہیں اور ہر ایک مکان نہ در مکان ان میں ہے۔ اسی طرح میں سب میں ہوں اور سب مجھ میں پھر بھی میں سب سے پاک ہوں۔ نہ یہ ہوں۔ نہ وہ ہوں۔ جو ہوں سو ہوں۔ مگر بے نام و بے نشاں ہوں ؎ راقم

می رمد اثبات پیش از نفی تو — نفی کردم تا بری زا ثبات او

در نوا آرم بنفی ایں ساز را — چوں بمیری مرگ گوید راز را

پیدا وہ ہو جو پہلے نہ ہو۔ مرے وہ جو بعد میں نہ ہو۔ میں تو جسم کے اول و آخر و وسط میں جوں کا توں موجود ہوں۔ جیسے بیداری و خواب و بیہوشی میں ایک خیال ان حالتوں کے وقوف کی نسبت موجود رہتا ہے پس ان حالتوں کا شاہد میں ہوں یہ حالتیں ؎ غالب

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے — حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

تو نہ ایں جسم بل آں دیدۂ (راقم) وارہی از جسم گر جاں دیدۂ

آب جاں را رینا اندر بحر جاں — تا شوی دریائے بیحد و کراں

تا ترا آنجا برد کو بودہ است — جستن اندر خاک نم بیہودہ است

اور میں اس بکھیڑے میں کیوں پڑوں کہ یہ شاہد وہ مشہود۔ یہ جزو وہ کل۔ وہی کیوں نہ بنا رہوں جو ان خیالات سے پہلے تھا۔ کیونکہ جوہر لطیف انسانی جو خیال کرتا ہے وہی بنجاتا ہے ؎ مولوی معنوی

اے برادر تو ہمیں اندیشۂ — مابقی تو استخوان و ریشۂ

گر گل ست اندیشۂ تو گلشنی — ور بود خارے تو ہیمہ گلخنی

خطاب (۴)

کے مقید داصل مطلق شود (عطار) بندۂ حق بے نشاں چوں حق شود

باش تا ار وزرے کہ ایں فکر و خیال (معنوی) بر کشاید بے حجابے پر و بال

نے نماند درجہاں یک تار مو — کل شئے ہالک الا وجہہ

نے سما بینی نہ اختر نے وجود — جز خدائے واحد حی و دود

لیک باایں جملہ بالاتر خرام　　چونکہ ارض اللہ واسع بود رام

گرچہ ایں مستی چو بازِ اشہب ست　　بر ترازوے ہم زمینِ قدس ہست

اور زمین قدس کا بیان نہیں ہو سکتا بقول مولانا روم ؎

چیز دیگر ماند اما گفتنش　　یا تو روح القدس گوید نے منش

نے تو گوئی ہم بگوشِ خویشتن　　بے من و بے غیر من اے ہم تو من

ہوش را بگزار وانگہ ہوشدار　　گوش را بربند وانگہ گوشدار

غرض جملہ خیالات و تصورات سے گزر کر حالتِ گم گشتگی میں محو و مستغرق ہونا چاہیے پھر نہ شاہد ہے نہ مشہود نہ خودی ہے نہ خدا ؎ اعلم

یارب کوئی نقشِ مدعا بھی نہ رہے　　اور دل میں خیالِ ماسوا بھی نہ رہے

رہجائے تو صرف بے نشانی باقی　　جو آئے سمجھ میں وہ خدا بھی نہ رہے

اور اس مقام کو التوحید ترک التوحید فی التوحید کہتے ہیں۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب موحد مقام توحید میں پہنچتا ہے۔ تو وہاں نہ موحد رہتا ہے نہ توحید۔ نہ خودی نہ خدا نہ عابد نہ معبود۔ نہ ہستی نہ نیستی۔ نہ ذات نہ صفات۔ نہ جبرئیل نہ قرآن۔ نہ اسم نہ مسمّٰی۔ نہ اوّل نہ آخر نہ ظاہر نہ باطن۔ نہ بہشت نہ دوزخ۔ نہ نور نہ ظلمت۔ نہ نفی نہ اثبات۔ نہ آسمان نہ زمین۔ نہ منزل نہ مقام نہ طالب نہ مطلوب نہ طلب۔ نہ عاشق نہ معشوق۔ نہ آدم نہ ابلیس۔ نہ کفر نہ اسلام۔ نہ حلال نہ حرام نہ عدم نہ وجود۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ جب عارف اپنے نفس کی شناخت کر لیتا ہے تو اپنے رب کو پہچانتا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اور اس شناخت سے بے اختیار شکر نامتناہی واجب ہوتا ہے جس کی شدت و کثرت میں نہ عارف رہتا ہے نہ معروف۔ علیٰ ہذا کمال عشق بھی یہی ہے کہ عاشق رہے نہ معشوق صرف عشق ہی عشق رہجائے اگرچہ بظاہر کمال عشق یہ سمجھ میں آتا ہے کہ معشوق سے وصل ہو جائے مگر اصل یہ ہے کہ اس کو بھی بھول جائے کیونکہ حیات عاشق عشق سے ہے نہ معشوق سے جیسے پروانہ جب شمع پر گرا تو اس کا وجود جو غیر تھا جلکر فنا ہو گیا

اور شعلہ آتش نے اُس کو بالکل اپنا سا بنا لیا پس اُس کی غذا و تقاضا محض آتش ہے نہ شمع رہی نہ پروانہ۔ اور اسی مقام کو حضرت عطار یوں فرماتے ہیں ؎

دل بود طعمۂ خود ز چار خطر مرد باید کہ بگذرد زیں چار

اوّل

گر بود خاطرِ تو مائل حق خطرۂ آسمانیش پندار

دوم

در بسوئے عبادتت بکشد خطراتِ ملایکش بشمار

سوم

در شود ایں تنِ تو مائلِ خور ایں کشاکش ز نفسِ بد انگار

چہارم

در بیابیش در تردد جاہ کہ چنین و چناں بر آرم کار

جانِ من ایں خطر ز شیطان ست ایں خطر از درست مردم خوار

از خطرہا اگر بروں آئی نہ خزاں ماند و نہ فصلِ بہار

نام ایں منزلے تو او دنئے ہست جائے شکیب و جائے قرار

لیک اینجا ستادنت مشکل بلکہ زینجا گزشتنت دشوار

اور قلندر صاحب رح پانی پتی نے ایک ہی شعر میں خاتمہ کر دیا ہے ؎

سر برہنہ نیستم دارم کلاہِ چار ترک ترک دنیا ترک عقبیٰ ترک مولا ترکِ ترک

پیدایش عالم وفنائے اتم

وہ ذات بیچون و بیچگون بے شبہ و بے نموں ہے۔ نہ اُس کو کسی شے سے مشابہت نہ کسی شے کو اُس سے مناسبت نہ لطافتِ خلا کو اُس کے تنزیہ سے کچھ نسبت۔ نہ رسائی عقل کو اُس کی ماہیت سے کچھ واقفیت۔ وہ وراء الورائے سب تشبیہوں اور استعاروں سے پاک

اور عقل و فہم سے بری ہے۔ لیس کمثلہ شئی ؂

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

پس اُس تک رسائی بے صفات کے اور صفات تک بغیر آثار کے ناممکن ہے ؂ ذوق

جہاں دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا
تجھے ہم نے کبھی تنہا نہ پایا

ان آثار ہی کا نام عالم ہے جس کو نہ فانی کہہ سکتے ہیں نہ باقی۔ نہ باطل کہہ سکتے ہیں نہ حق۔ اِس عالم میں آثار صفات کا رنگا رنگ مخلوق کی صورت میں نظر آنا یا عقل و ادراک میں پایا جانا صرف ایک نمود ہے جو اہل ظاہر کے نزدیک موجود حقیقی اور اہل باطن کی نظر میں نیست ہست نما ہے ؂ ردم

بحر را پوشید و کف کرد آشکار
باد را پوشید و بنمودت غبار

اُس ذات پاک سے عالم امکان میں اوّل روح نے ظہور پکڑا جو نہایت لطیف اور اثر فعل سے پاک و مبرا ہے۔ حضرت قلندرؒ پانی پتی نے روح کے مخاطبہ میں چند اشعار لکھے ہیں ؂

مرحبا اے فیض بخشِ کائنات
یافت ترکیب از وجود تو حیات

غرق بودی در محیط ذات پاک
از تو روشن شد چرا ایں تیرہ خاک

اے کہ بودی در ہوائے لامکاں
چوں جدا گشتی بگو راز نہاں

پاک بودی در حریم کبریا
از چہ پیدا شد ترا حرص و ہوا

گاہ در دوزخ روی سازی مقام
گاہ در جنت روی آخوش خرام

گہ کنی جلوہ در اقلیم فنا
گہ روی در عالمِ ملکِ بقا

از تو روشن کوکبِ ایمانِ من
پردہ بردار از رخِ جانانِ من

در سخن شد عندلیبِ با نوا
گفت بشنو تا بگویم رازہا

آفرید حق مرا از نور ذات
تا شناسم ذات او را از صفات

بودہ ام در باغ وحدت بے نشاں
چوں بکثرت آمدم گشتم عیاں

امر بیم روح کردہ نام ما
کردہ پُر ساقی ز وحدت جام ما

تافت برہر ذرہ خورشید کمال	گشت پیدا از جمالِ ذوالجلال

غرض مرح نے جب ارادہ کیا کہ میں کچھ کام کروں تو اُس سے جو حرکت پیدا ہوئی اُسی کا نام قلب ہے۔ یا یوں سمجھو کہ وہ نقطہ جس سے دائرہ موجودات گردش میں آیا۔ قلب ہے اگر ارادہ اظہار ہوا تو محسوسات تک نظر آنے لگے نہ ہوا تو کچھ بھی نہیں جیسے ہوا چلی تو محسوس ہوئی ورنہ خیر ؎ اعلم

کی جو بس قلب نے ذرا حرکت	ہوئی پیدا شبیہ و شکل و مثال

یہاں سے ظاہر ہے کہ قلب بھی ایک وجود لطیف ہے جو نور ذات سے ہے اور جملہ موجودات میں ساری اور ہر جگہ موجود ہے۔ مولوی معنوی ؎

ایں جمالِ دل جمالِ باقی است	دو لبش از آبِ حیواں ساقی است

خود ہم او آب ست و ہم ساقی و مست	ہر سہ یک شد چوں طلسم تو شکست

اس آئینہ سے فوراً دوئی یعنے دیکھنے والا اور صورت پیدا ہو گئی ہے یوں عالم نے ظہور پکڑا۔ سمجھنے کی بات ہے گویا تمہاری صورت تم کو تمہارے اندر نظر آنے لگی یعنی اپنی صورت اپنی ذات میں اپنے آپ کو نظر آنے لگے گی۔ جیسے نور آفتاب جب نظر میں سمایا تو آفتاب نظر آیا۔ یعنے آفتاب ہی نے آفتاب کو دیکھا ؎ شاہ حمزہ رح

روے در روے و شہہ اندر شہود	عین عین اللہ نمود اندر نمود

خود خودی با خود رہ دیگر مپو	تو توئی با تو درِ آخر مجو

چوں تو خود یارِ خودی در خانماں	از کہ باشی تو جدا اے عین جاں

رو سوے بسطامِ دل کنجے نشیں	حق چہ جوئی حق توئی اے مرد دیں

مگر جب دیکھنے والا جدا اور صورت جدا سمجھی تو وہی تفرقہ پڑ گیا۔ اور غلطی میں پھنس گیا ؎ غالب

اُتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے	جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

میں جلوہ ناز سے نکل کر	(اعلم) بھیس اپنے فراق کا بدل کر

خود اپنی تلاش کو چلا ہوں	واقف نہیں کس ہوس میں کیا ہوں

گم ہو کے بنا ہوں اپنا جویا ۔۔۔ میں خود نہیں دوسرا ہوں گویا

بیگانہ وشی میری عجب ہے ۔۔۔ اپنے کو بھلا دیا غضب ہے

اگر خیال ظاہر پر دوڑ گیا تو اشیائے فانی پر فریفتہ ہو کر مبتلائے عذاب ہو گیا اور باطن کی طرف متوجہ ہوا تو حقیقت پر مائل ہو کر اپنی اصل میں جا ملا اور راحت جاوید اُس کا حصہ ہوا۔ جیسے سمندر کی لہر اگر باہر آئی تو ہزار ہا مختلف لہروں سے اُس کو سابقہ پڑا اور جو اندر کی طرف گئی تو اصل میں جا ملی۔ پس جب تک یہ حرکت قائم ہے قیام عالم ہے اور جب یہ جاتی رہی عالم بھی نہ رہا۔ ؎ رومؒ

صورت از بے صورتی آمد بروں ۔۔۔ باز شد انا الیہ راجعون

غرض عالم کی بود و نابود حرکت قلب پر منحصر ہے۔ اسی سے تفرقہ اُٹھتا اور اسی سے فرو ہو جاتا ہے۔ جیسے آگ ہوا سے ہی بھڑکتی اور ہوا سے ہی بجھ جاتی ہے ؎

دنیا خوابے ست زندگانی دردے ۔۔۔ خوابے ست کہ در خواب بہ بینی آں را

واقع میں یہ سارا جہان جو بصورت نظر آرہا ہے ایک خواب طویل ہے کہ خیال انسانی نے اُس کو اصلی مان رکھا ہے ورنہ اپنا ہی ظہور ہے یعنے اپنے ہی خیال نے یہ صورت پکڑی ہے۔ اعلم

نظر چاہیئے اور صفا چاہیئے ۔۔۔ دل آئینہ ہے دیکھنا چاہیئے

کروں مرکز قلب پر میں نگاہ ۔۔۔ کہ نکلی جہاں سے دو عالم کی راہ

پڑی اپنی صورت پہ اپنی نظر ۔۔۔ ہوا عکس آئینہ میں جلوہ گر

فقط میں ہی میں ہوں کہاں غیر ہے ۔۔۔ بنے ایک کے دو عجب سیر ہے

کیا آپ پر میں نے اپنا ظہور ۔۔۔ نمایاں دوئی پر دوئی مجھ سے دور

عدم میں بھی میں آپ موجود ہوں ۔۔۔ کہ شاہد بھی ہوں اور مشہود ہوں

میں جنبش کروں تو وہ جنبش کرے ۔۔۔ مرے حکم سے وہ جئے اور مرے

نہ مجھ سے جدا وہ نہ میں اُس سے دور ۔۔۔ وہ میرے مقابل میں اُس کے حضور

وہ مجھ میں سمایا ہے بنکر عالم | میں اُس میں سمایا ہوں بے کیف و کم
میں کرتا ہوں ظاہر میں اس سے خطاب | پس پردہ دیتا ہوں خود ہی جواب
ہے القصہ فعل اُسکا میرا ہی کام | بس آگے خبر کچھ نہیں والسلام

رنگ جو بمد د آفتاب روشنی میں نظر آرہا ہے اُس کو حقیقی سمجھنا دھوکا ہے وہ خارجی وجود نہیں رکھتا بلکہ آفتاب ہی کا ظہور ہے کیونکہ آفتاب کے خیال یعنی شعاع نے یہ صورت پکڑ رکھی ہے نہ اس کو عین کہہ سکتے ہیں نہ غیر۔ یہ طلسمات دوجہاں بھی نشور قلب کے ذریعہ سے نظر آرہا ہے ورنہ حقیقت میں آفتاب حقیقی جلوہ گر ہے ؏ اعلم

اپنے ہی تصور سے ہیں یہ جملہ طلسمات | نے حق ہے نے باطل ہے نہ سافل ہے نہ عالی
جب زور رہا وہم کا سب ہو گئے موجود | یہ نیک ہے یہ بد یہ جلالی یہ جمالی
ہے روشنی سب ایک تمیز اور نہ تفرق | گنتی میں ہزاروں ہیں چراغانِ دیوالی
ہر چند مٹھائی کے بکثرت ہیں کھلونے | سب قند ہیں جب ٹوٹ گئی شکلِ مثالی
ہر قسم کا مبدا ہے وہی ایک حلاوت | گو مختلف اقسام سے معمور ہے تھالی
نے کشف و کرامت نہ مناسب نہ مراتب | نیرنگ دو عالم ہے تماشائے خیالی

اہل عالم کی حالتیں

اہل عالم کی حالتیں دو ہیں۔ ایک خواب دوسری بیداری۔ اہل تحقیق کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ صرف اتنا ہی فرق ہے کہ ایک کلاں ہے ایک خورد جس طرح بیداری میں خواب کی اشیا وجود خارجی نہیں رکھتیں۔ ایسے ہی خواب میں بیداری کی اشیا کا حال ہو جاتا ہے۔ پس دونوں حالتیں خواب و خیال ہیں وجود اصلی دونوں میں ایک بھی نہیں رکھتی۔ جو واقعات خواب میں پیش آتے ہیں وہ اُس حالت میں یقینی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر آنکھ کھلنے کے بعد جبکہ وہ حالت بدل گئی تو بے اصل معلوم ہوتے ہیں اسی طرح جو معاملات بیداری میں یقینی اور واقعی معلوم ہوتے ہیں۔ اُنکی قلعی حصول معرفت کے وقت کھل جاتی ہے۔ اُس وقت حیرت ہوتی ہے کہ یہ سارا تماشا

جو نظر آرہا تھا کہاں گیا ع

نے سما بینی نہ اختر نے وجود

جب آنکھ نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ (ہم دار) جب آنکھ ہوئی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

بیداری کے ربط و ضبط و تعلق باہمی کا معاملہ بھی خواب جیسا ہے نہ یہ وجود اصلی رکھتا ہے

نہ وہ صرف خیال نے مان رکھا ہے ؎ اعلم

بحرِ وحدت میں سب ہیں مستغرق — روح و جسم و حواس و عقل و کمال

ذاتِ واحد صفاتِ گوناگوں — غضب و رحمت و جلال و جمال

ہے یہاں نسبت و اضافت ہیچ — ہستی و نیستی بھی ہے پامال

آنِ واحد ہے جو ہوا سو ہوا — وقت ماضی یہاں نہ استقبال

بیان بالا سے ظاہر ہوا کہ جیسے خواب کی اشیا بیداری میں باقی نہیں رہتیں ایسے ہی عالمِ بیداری کی اشیا معرفت کے وقت نہیں رہتیں کیونکہ جب انسان اپنے اصلی مرکز پر جہاں سے چلا تھا پہنچ جاتا ہے تو یہ سارا جہان مٹ جاتا ہے۔ جیسے نقطہ فوکس یا نقطہ دماغ میں جو نظر تیلیوں سے گزر کر بناتی ہے سارے جلسہ کی صورتیں سما جاتی ہیں اور نہیں معلوم ہوتا کہاں گئیں ع

نکل گئی پربت کو رائی سرسوں پھولی آنکھوں میں

اور یہ نقطہ (مرکز اصلی انسان) محدود معین نہیں نہ طول رکھتا ہے نہ عرض نہ عمق نہ بُعد نہ مسافت نہ تحت نہ فوق نہ راست نہ چپ نہ پیش نہ پس اور ایک ذرہ بھی امکنہ علیین و سافلین نا متناہی کا اس سے خارج نہیں

لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض ؎ حضرت عطار

ز نقطہ مگذر و ہم باش ساکن — کہ تا چوں انبیا باشی تو ایمن

شبلی علیہ الرحمۃ نے اسی مقام بے مقامی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میں نقطہ بائے بسم اللہ ہوں

آنِ واحد وہ لمحہ ہے کہ از منہ گذشتہ و آیندہ ازل سے ابد تک اس میں موجود و حاضر ہیں ؎ مولوی معنوی

چوں ز ساعت ساعتے بیروں شوی — چوں نماند محرم بیچوں شوی

زانکہ آں سوجملہ ملت ہا یکے ست | صد ہزاراں سال و ساعت ہا یکے ست
ہست آزل را و ابد را اتحاد | عقل را رہ نیست سوئے افتقاد
لامکانے کاندراں نورِ خدا ست | ماضی و مستقبل و حالش کجا ست

یہ نقطہ یا لمحہ واحد حقیقی کے اسرار وحدانیت و فردانیت کا مظہر ہے نہ کہ خود واحد حقیقی۔ وہ ذات پاک اس سے بھی منزہ ہے کیونکہ ازمنہ و امکنہ وجہات سب حادث ہیں اور وہ قدیم۔ پھر حادث میں قدیم کی سمائی کہاں۔ اور یہ مقام خبر دیتا ہے لی مع اللہ وقت[1] اور مقام محمود[2] اور مقام ابراہیم[3] سے عطار

الا اے نور قدسی باز بنما | ز زنگِ آئینہ دل پاک بزدا
زمین و آسماں بردار از پیش | نمودِ جسم و جاں بردار از پیش

جب سالک کو رحمت کاملہ جذب کرکے مشاہدہ میں لیجاتی ہے تو اُس کو حال کہتے ہیں اور حال میں کچھ شعور نہیں رہتا ہے جو پہنچتا ہے وہی نذار د ہوتا ہے پھر بیان میں کیا آسکے ع

محرم ناسوت بالاہوت باد

نے نفی شود ترانہ اثبات | (اعظمی) ایں خانہ شش درست و شش بات
راہ پس و پیش بستہ گردد | نطع کم و بیش در نوردد
نے شرح بود عبارتے را | نے زہرہ بود اشارتے را

مولوی معنوی

اے خدا بنما مرا آں مقام | کاندراں بے حرف مے روید کلام
گام اندازیم و آنجا گام نے | جام پردازیم و آنجا جام نے

---

[1] لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ نبی مرسل ولا ملک مقرب۔

[2] مقام محمود عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔

[3] مقام ابراہیم ومن دخلہ کان آمنا۔

زانکہ آنجا جملہ اشیا جانی ست   معنی اندر معنی و ربانی ست

ببیں جامی نماید روے دلدار (عطار) عیانِ عشق باشد لیس فی الدار

دریں جا نیست جسم و عقل و ادراک

نمودار ست ایں جا صانع پاک

مناجات

خدایا وہ کامل نظر دے مجھے   علم کہ ہر ایک ذرے میں دیکھوں تجھے

وہ غم دے کہ ہو جائیں سب غم غلط   نہ ہو اور کچھ تو ہی تو ہو فقط

اگر غرق طوفاں ہو کل کائنات   نہ پھسلے مگر میرا پائے ثبات

رہے دھیان میں کچھ نہ دوزخ بہشت   تری یاد بنجائے میری سرشت

مرے دل سے زنگِ دوئی دور کر   مرے دل کو وحدت سے معمور کر

مٹے وہم باطل نظر آئے حق   پڑھوں پتے پتے سے تیرا سبق

نگاہوں میں ہو جلوہ گر تو ہی تو   ہر اک گل میں پاؤں تیرا رنگ و بو

کروں فہم تجھ کو ہر اک بات سے   سنوں تیرا نغمہ جمادات سے

ترا جلوہ دیکھوں نہان و عیاں   نہ پائے مگر مجھ کو میرا نشاں

ترے بادۂ عشق سے ہو کے مست   سنوں گوش جاں سے ندائے الست

کہوں میں بلے اور ہو جاؤں لا   محبت کے شعلہ سے مجھ کو جلا

کہوں اور سنوں خود بنوں چشم و گوش   مری بیخودی پر ہوں قربان ہوش

محبت کے دریا میں مجھ کو ڈبو   تمنا ہے یہ اب تو جو ہو سو ہو

رہے ماسوا کا نہ ذرہ خیال   مجھے ایک ہو جائے ماضی و حال

خلا و ملا میں نہ ہو وہم غیر | کروں بیخودی میں خدائی کی سیر
مرے وصف بنجائیں تیری صفات | مری زیست بنجائے تیری حیات
مری بات بنجائے تیرا کلام | مری چال ہو جائے تیرا خرام
پلا مجھ کو عرفاں کا جام رحیق | تحیر کے ورطے میں کر دے غریق
نہ لیلے رہے اور نہ مجنوں رہے | فقط درمیاں ایک مضموں رہے

نہ ساغر رہے اور نہ ساقی رہے
سوا تیرے کوئی نہ باقی رہے

خاتمہ

میر احمد حسین صاحب مرحوم و مغفور جو ایک نیک سیرت و پاک طینت جواں تھے اس رسالہ کا پہلا مسودہ لکھنؤ لے گئے اور مطبع نامی منشی نول کشور میں طبع کرایا۔ اب اس پر نظر ثانی میں کسی قدر اضافہ کیا گیا اور کہیں کہیں عبارت میں بھی تغیر کا اتفاق ہوا ہے۔ جن اشعار پر (علم لکھا گیا ہے وہ میرے دوست بے ریا اور محب با صفا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے فکر رسا کا نتیجہ ہیں ؞

نجم الدین ڈپٹی انسپکٹر

(خاکپائے اہل اللہ محمد حسین کاتب امین آبادی)

تیرھویں صدی ہجری کے مجدد

جو بہ اتباع سنت حضرت سرور کائنات محض اُمّی تھے لیکن جن کو جناب رسول مقبول صلعم کی جسمی زیارت نصیب ہوئی۔ جن کو غیب سے خوان نعمت ملا کرتے تھے جنکی سواری کے جانور حرام غذا نہ کھاتے تھے جب وہ نواب امیر خان والئے ٹونک کی فوج میں بطور سپاہی کام کرتے تھے۔ تو انگریزی سپہ سالار فوج آپکے ہمراہ دشمن کے دستہ میں آگیا اور جنگ سے تائب ہوا جن کے دشمن آپکو قتل کرنے آتے تو مرید دست بیعت ہوجاتے جن کے خدام کو ہمیشہ غیب سے خرچ ملتا جنکی دعا سے شیعہ عالم رویا میں خود حضرت سرور کائنات روحی فداہ سے نصیحت پاکر رافض سے تائب ہوا جنکی دعا سے میوانے ہشیار اور کسبیاں تائب ہوکر نیکوکار ہوگئیں۔ جو حج پر گئے تو راستے میں انگریزوں نے انکو دعوت دی جنکی مخالفت سے بڑے بڑے ہشیار مجنون ہوگئے جن کے ہاتھ پر ایک مالدار ہندو سیٹھ سچا خواب دیکھکر مسلمان ہوا۔ جن کے قافلے کو غیبی اونٹوں نے عدن پہنچایا۔ غرض جنکی کرامات کا سلسلہ ایک بحر ناپیدا کنار تھا اس بزرگ کیحالات وکرامات کیلئے آپ پونے تین سو صفحہ کی کتاب سوانح احمدی یعنے حالات حضرت سید احمد صاحب بریلوی منگاکر ملاحظہ فرماویں ٭ قیمت علاوہ محصولڈاک صرف دو روپے .. .. عمار

حیات داغ ملک الشعراء جہان استاد مرزا داغ دھلوی کے حالات با تصویر نہایت عمدہ ڈمی کاغذ پر ٭ قیمت علاوہ محصولڈاک .. ۶ر

حیات حالی شمس العلما مولنا الطاف حسین صاحب حالی کے با تصویر حالات زندگی نہایت اعلیٰ درجہ کے چکنے سفید کاغذ پر ٭ قیمت صرف .. ۶ر

الوارث حضرت حاجی سید وارث علی شاہ صاحب کیحالات جن کے ساتھ چار فوٹو کی تصاویر بھی ہیں ٭ قیمت صرف بارہ آنے ۱۲ر

حیات ابدی حضرت رابعہ بصری کیحالات ٭ قیمت صرف ۴ر

المشتہر

منیجر دفتر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب

۲۱
اکیس فوٹو

دیارِ حبیب صلعم کے قابلِ دید مناظر کے عکسی تصاویر

یہ فوٹو نہایت محنت سے تیار کرائے گئے ہیں۔ ابتک دس فوٹو تیار تھے اب اکیس فوٹو کا سٹ تیار ہے قیمت فی عدد (۳/) اکیس فوٹو کا سٹ مکمل (۲۴/) دس فوٹو (۱۲/) علاوہ محصول (۱) روضہ شریف حضرت سرورِ کائنات صلعم کا رنگین فوٹو (۲) کعبۃ اللہ بیت اللہ شریف کا فوٹو سیاہ ریشمی غلاف اور اسپر سنہری حروف جو فوٹو میں اچھی طرح پڑھے جاتے ہیں (۳) مدینہ منورہ کا نظارہ (۴) مکہ معظمہ میں نماز جمعہ کا دلچسپ نظارہ (۵) میدان عرفات میں لوگوں کے خیمے اور قاضی صاحب کا جبل رحمت پر خطبہ پڑھنا (۶) شیطان کو کنکر مارنے کا نظارہ یعنی رمی (۷) میدان منا میں حاجیوں کے کیمپ اور مسجد خیف کا سین (۸) جنت المعلیٰ واقعہ مکہ معظمہ جس میں حضرت خدیجہ حرم رسول کریم صلعم اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا والدہ حضرت سرورِ کائنات کے مزار کے فوٹو بھی ہیں (۹) جنت البقیع جس میں مزارات اہل بیت و امہات المومنین و بنات النبی حضرت عثمان غنی و شہدائے بقیع وغیرہ (۱۰) کعبۃ اللہ کے گرد حاجی طواف کر رہے ہیں (۱۱) کوہ صفا و مروہ اور وہاں جو کلام مجید کی آیت کریمہ منقش ہے وہ فوٹو میں حرف بحرف پڑھی جاتی ہے (۱۲) روضہ شریف حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سادہ فوٹو (۱۳) مسجد حضرت عائشہ صدیقہ جہاں سے حاجی عمرہ باندھتے ہیں (۱۴) محمل شامی کا میدان عرفات میں قابل دید نظارہ (۱۵) محمل مصری کا شاندار سین (۱۶) پرانے مدینہ میں اسلام کی پہلی مسجد قبا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سب سے اول تیار کی اور کرائی (۱۷) سیدنا امیر حمزہ کا مزار جو جنگ احد میں شہید ہوئے (۱۸) بیت المقدس کی مسجد اقصےٰ (۱۹) حرم شریف بیت المقدس میں رحمت اور توبہ کے دروازے (۲۰) صخرہ یعنی وہ بہشتی پتھر جو مسجد اقصےٰ میں معلق تھا اس کا فوٹو اور مسجد کے اندر کا قابل دید نظارہ (۲۱) بیت المقدس میں مسجد سیدنا حضرت عمرؓ اور شہر کا عام دلچسپ سین ۔

یہ وہ نقشے نہیں جو بمبئی وغیرہ کے بازاروں میں عام طور پر فروخت ہوتے ہیں۔ یہ اصلی فوٹو ہیں اس لئے آپ ان کو منگا کر اپنے مکانوں اور کمروں کو زینت بخشیں۔ روضہ شریف کا رنگین فوٹو قیمت فی عدد (۱/۶) سائز ہر ایک فوٹو ۱۴ + ۱۱-۱۰ انچہ ہے۔ لیکن مکمل سٹ کے ساتھ یہ رنگین فوٹو اسی قیمت یعنی (۱۲/) میں دیا جاتا ہے علٰحدہ ۱/۶ کو ملتا ہے ۔

ملنے کا پتہ

منیجر دفتر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات (پنجاب)